منظوماتِ میاں دلگیر

یعنی

دلگیر کی غیر مطبوعہ مثنویوں اور قطعات کا مجموعہ

مُقدّمہ و ترتیب

(ڈاکٹر) اکبر حیدری کاشمیری

منظومات میاں دلگیر

یعنی

دلگیر کی غیر مطبوعہ مثنویوں اور قطعات کا مجموعہ

مقدمہ و ترتیب

ڈاکٹر اکبر حیدری (کاشمیری)

ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی

سال طباعت :- ۱۹۷۰ء

تعداد :- پانچ سو

قیمت : آٹھ روپے

ملنے کا پتہ :—

مکتبۂ ادبستان

۱۳۱ نرسنگ گڑھ

سری نگر کشمیر

مطبوعہ :- سرفراز قومی پریس لکھنؤ

خوشنویسی :- ظہور احمد لکھنوی

میں ریاستی اکیڈیمی کے عطیہ گراں کا ممنون

ہوں جس کے باعث اس کتاب کی اشاعت

ممکن ہو سکی۔

اکبر حیدری

فہرست مضامین

مقدمہ

لالہ جھنولال نام اور دلگیر تخلص کرتے تھے[1] شیفتہ[2]، ڈاکٹر اسپرنگر[3] اور قطب الدین باطن[4] ان کا نام جھنولال لکھتے ہیں۔ نصر اللہ خویشگی[5] جھبو لعل اور محسن لکھنوی[6] نے جھنگو لال لکھا ہے ان تذکروں میں قدامت کے لحاظ سے مصحفی کے ریاض الفصحا کو تقدم حاصل ہے۔ اس لیے انھوں نے دلگیر کا جو نام لکھا ہے وہی درست ہے بعد میں وہ میاں دلگیر کے نام سے مشہور ہوئے[7]

دلگیر کے والد کا نام منشی رگھوارام تھا[8] وہ قوم کا یستھ سکسینہ اور مہاراجہ جھاؤلال[9] اور راجہ میوہ رام[10] کی

---

[1] ریاض الفصحا ص۱۰۵ مصحفی، خوش معرکۂ زیبا ص۱۸ مخطوطہ ۱۲۶۱ھ ہجری سعادت خاں ناصر۔ تذکرہ آثار الشعرائے ہنود ص۵۵ مولفہ منشی دیبی پرشاد بشاش مطبوعہ ۱۸۸۵ء، سخن شعرا ص۱۶۳ عبدالغفور خاں نساخ مطبوعہ ۱۲۹۱ھ نول کشور پریس لکھنو۔ خمخانۂ جاوید ص۲۴۳ جلد سوم لالہ سری رام [2] گلشن بیخار مخطوطہ سال کتابت ۱۲۶۱ھ ہجری کتب خانہ راجہ محمود آباد، لکھنو۔

[3] اودھ کیٹلاگ ص۲۹۶ مطبوعہ ۱۸۵۴ء کلکتہ [4] گلستان بے خزاں ص۱۴۹ مطبوعہ ۱۸۷۵ء [5] گلشن ہمیشہ بہار ص… مطبوعہ ۱۲۸۱ ہجری بار اول و بار دوم ۱۹۶۷ء انجمن ترقی اردو پاکستان [6] سراپا سخن ص۱۱۵ مطبوعہ ۱۲۷۰ھ ہجری۔

[7] فسانۂ عجائب رجب علی بیگ سرور مطبوعہ ۱۲۶۲ھ ہجری [8] ریاض الفصحا ص۱۰۰ [9] مہاراجہ جھاؤلال نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں ۱۲۱۰ھ میں عہدۂ نیابت پر ممتاز تھے (تفضیح الغافلین ص۱۴۳ مرزا ابو طالب لندنی ۱۲۱۲ھ) جب گورنر جنرل لسٹن لکھنو آئے تو انھوں نے راجہ موصوف کو نواب آصف الدولہ کی سرکار سے سبکدوش کرکے عظیم آباد بھجوا دیا۔ ان کے جانے سے نواب کو کمال رنج و غم ہوا۔ یہاں تک ضبط کیا کہ بیماریوں نے ہجوم کیا اور آخر کار ان کے فراق میں دوسرے سال انتقال کیا (تواریخ نادر العصر ص… منشی نولکشور مطبوعہ ۱۲۶۳ھ) راجہ جھاؤلال کی یادگاریں اب تک لکھنو میں موجود ہیں ٹھاکر گنج میں انھوں نے ایک شاندار امام باڑہ اور اس کے قریب ہی مقابل میں ایک عالیشان مسجد بھی بنوائی تھی۔ ان عمارتوں کے علاوہ لکھنو میں جھاؤلال کا پل بہت مشہور ہے۔ امام باڑہ جھاؤلال میں ہر مہینے کی ۱۳ تاریخ کو مجلس عزا ہوتی تھی (قیصر التواریخ ص۲۲۴ سید کمال الدین حیدر ۱۸۹۶ء) راجہ موصوف عظیم آباد میں ہمیشہ عزاداری بڑے تمکنت سے کرتے تھے (تاریخ اودھ جلد دوم ص… نجم الغنی ۱۹۱۹ء) جھاؤلال کا انتقال ۱۲۲۵ھ میں ہوا (قیصر التواریخ جلد اول ص۱۱۵)

[10] میوہ رام کے والد کا نام نول کشن تھا پہلے ہندو تھے جب مسلمان ہوئے تو اسلامی نام حمایت علی اور خطاب افتخار الدولہ

برادری سے تھے[1]۔ بزرگوں کا وطن شمس آباد تھا۔ خاندان کے کچھ لوگ دلّی میں رہتے تھے۔ لیکن دلگیر کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی اور وہیں ان کی نشو و نما اور تعلیم و تربیت بھی ہوئی[2]۔

دلگیر کی تاریخ پیدائش کسی تذکرے میں ہماری نظر سے نہیں گزری ہے۔ مصحفی نے ریاض الفصحا (۱۲۳۶-۱۲۲۱) کی تالیف کے وقت ان کی عمر تخمیناً ۲۲ سال لکھی ہے[3]۔ جناب سید مسیح الزماں صاحب نے مصحفی کی اس بنیاد پر دلگیر کا سنہ ولادت ۱۱۹۵ھ ہجری قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"ریاض الفصحا کی تکمیل پندرہ سال میں ہوئی۔ اس لیے قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ چھنو لال کا ترجمہ انھوں نے کب لکھا۔ چونکہ یہ اس وقت لکھنؤ کے نوجوان شعرا میں ممتاز اور مصحفی سے اچھے مراسم رکھتے تھے۔ اس لیے ان کے حالات معلوم کرنے میں مصحفی کو زیادہ دن نہ لگے ہوں گے۔ اسی بنا پر ان کا سال پیدائش ۱۱۹۵ھ ہجری سمجھا جا سکتا ہے[4]"

جناب مسیح الزماں صاحب کی مندرجہ بالا عبارت میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ اول انھیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مصحفی نے دلگیر کا ترجمہ کب لکھا اور پھر اس کے باوجود انھوں نے ان کا سال پیدائش ۱۱۹۵ھ ہجری تعین کیا ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بادشاہ نصیر الدین حیدر نے افتخار الدولہ کا خطاب دے کر اپنا دیوان مقرر کر لیا اور تین لاکھ روپے کا انعام بھی دیا۔ (تاریخ اودھ صفحہ ۲۱۶ جلد چہارم) میوہ رام تعزیہ داری ایام محرم میں صدق دل سے کرتے تھے اور دو تین لاکھ روپے عشرہ محرم اور ائمہ طاہرین کی وفات وغیرہ پر خرچ کرتے تھے (تاریخ اودھ صفحہ ۲۱۶ جلد چہارم) اسی سلسلے میں میرزا محمد کاظم لکھتے ہیں:- "تعزیہ داری عشرہ محرم ہزارہا صرف می گردند۔ دو سہ صد کس از ذاکرین در عشرہ محرم در مجالس معین می داشتند و مجلس از اول شب شروع می شد و آخر شب تمام می گردید۔ بہ کثرت ذاکرین مبلغ خطیر عنایت می شد و ذاکرین کربلائے معلٰی و حجاج و سادات و مومنین بتبرعات بسیاری نمودند" (رسالہ سوانح عمری محمد کاظم صفحہ ۱۰ مطبوعہ ۱۲۰۸ھ) میوہ رام افتخار الدولہ کے نام سے ہی مشہور ہیں۔ آخر کار وہ کربلائے معلّٰی میں جا کر روضۂ اقدس کے کلید بردار ہو کر وہیں ۱۲۳۰ھ میں راہی جنت ہوئے (حیات دبیر صفحہ ۵۰) سید افضل حسین ثابت لکھنوی) تیر خلکوہ آبادی نے تاریخ وفات کہی۔

افتخار الدولہ میوا رام مہراج زمن — والا تام علی و تابع شرع نبی
گنج ہائے شائگاں صرف عزاداری نمود — کس ندیدم ہم چو او در لکھنؤ را دو سخی
اکتساب دولت و جیح و زیارتہا نمود — شد مقیم کربلا در خدمت سبط نبی
شہرۂ شداوصات وے در ہند و ایران و عرب — ذکر خیرش بر زبانہا ہم خفی و ہم جلی
در ثبات و صبر و تسلیم و رضا و احتیاط — از میان اہل ایماں بردہ گوئے فرخی
عاقبت رخت سفر بر بست در کرب و بلا — ساکن گلزار جنت گشت چوں سرو سہی

سال مرگ اندر صفاتش نظم کردم اے تیر
دیں پناہ و صالح و زردار امیر و متقی — ۱۲۳۰ھ ہجری (نظم تیر صفحہ ۱۵)

[1] خوش معرکۂ زیبا صفحہ ۳۰۳ [2] ریاض الفصحا صفحہ ۱۰۴ [3] ریاض الفصحا صفحہ ۱۰۱ [4] اردو مرثیے کا ارتقا صفحہ ۲۰۷ سید مسیح الزماں مطبوعہ کتب دین دیال روڈ لکھنؤ۔

دوسرے یہ کہ مصحفی نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ ان کی دلگیر سے کوئی راہ و رسم تھی۔ یا یہ کہ دلگیر نے ان سے مفروضہ عمر کے بارے میں کچھ کہا تھا۔ لہٰذا کسی کے لگائے ہوئے عمر کے تخمینہ پر کسی کی صحیح تاریخ پیدائش متعین نہیں کی جا سکتی۔

میری دریافت کے مطابق دلگیر کا سنہ پیدائش ۱۱۹۵ھ ہجری ہے کیونکہ ۱۲۵۵ھ ہجری میں ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی اور ریاض الفصحا کی ترتیب کے آغاز یعنی ۱۲۲۱ھ ہجری میں ان کی عمر ۳۲ سال نہیں بلکہ ۲۶ سال تھی۔ اس کی شہادت میرے پاس یہ ہے کہ ۱۲۵۵ھ ہجری میں انھوں نے حسین آباد کے بازار کی تعریف میں ایک مثنوی لکھی جس کے آخر میں یہ قطعۂ تاریخ درج ہے ؎

شہید[1] ایک شیخ ناسخ کا ہے شاگرد ۔۔۔ دعائے شاہ ہے اس کا سدا ورد
سدا میری طرح جو دعا ہے ۔۔۔ ہمیشہ نام حضرت پر فدا ہے
مجھے یہ مثنوی کہتے جو دیکھا ۔۔۔ خوشی اس کی ہوئی حد سے زیادہ
تامل کر کے کچھ پھر ہو کے خورم ۔۔۔ کہا میں نے کہی تاریخ اس دم
لکھا یہ مصرعِ تاریخ یکبار
صفات شاہ میں ہے مدح بازار ۱۲۵۵ھ ہجری

دلگیر کے بیان کے مطابق محمد علی شاہ بادشاہ اس مثنوی پر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے از راہ قدردانی مبلغ چار سو روپے نقد کے علاوہ خلعت سے بھی ممتاز فرمایا۔ خلعت و نقد پانے کے بعد دلگیر نے ۲۵ شعر کا ایک قطعہ "در شکر عنایات خلعت و انعام نقد در صلہ مثنوی ہذا" تصنیف کیا۔ کہتے ہیں ؎

ازل سے بندۂ درگاہ ہے یہ ۔۔۔ قدیمی خانہ زاد شاہ ہے یہ
ہے یہ فضل و کرم حضرت کا مجھ پر ۔۔۔ صلہ میں مدح کا پاتا ہوں اکثر

---

[1] ریاض الفصحا ص۱۰۱ شہید۔ مولوی محمد بخش نام اور شہید تخلص، رنگین طبیعت اور ذہن سلیم کے مالک تھے۔ عاشقانہ طرز پر لکھتے تھے (تذکرۂ شعرا ۱۹۵ ابن طوفان مرتبہ قاضی عبدالودود) شہید کے والد کا نام شیخ خدا بخش تھا اور وہ محمد بن ابی بکر کی اولاد سے تھے۔ قصبہ سندیلہ کے باشندہ تھے لیکن لکھنؤ میں رہتے تھے اور شیخ امام بخش ناسخ (متوفی ۱۲۵۴ھ ہجری) کے شاگرد تھے (سراپا سخن ص۱۲۵ انجمن شعرا ص۲۷۹ سعادت خاں ناصر انھیں مرد صالح اور درس بزرگ کہتے ہیں (خوش معرکۂ زیبا قلمی) کتب خانہ باقی پور پٹنہ میں خوش معرکۂ زیبا کا جو مخطوطہ ہے اس کے حاشیہ پر شہید کے حالات مختصراً لکھے گئے ہیں۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ فتح الدولہ برق (متوفی ۱۲۷۳ھ ہجری) نے شہید کو بیس روپیہ مہینے پر نخشی گری کے عہدہ پر مامور کرایا تھا۔ اور ان کا یہ معمول تھا کہ ہر جمعہ کو بوقت سہ پہر امام باڑہ لاڈو خانم صاحبہ واقعہ بخاس میں برق اور اپنے شاگردوں کو جمع کرتے تھے اور آٹھویں دن بروز جمعہ ایک چھوٹا مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ شہید کا انتقال ۱۲۷۰ھ ہجری میں ہوا۔ دیوان قلق میں تاریخ وفات درج ہے ؎

رفت چو مولوی شہید افسوس ۔۔۔ زیں سرائے فنا بدار بقا
قلق تاریخ رحلتش بہ نوشت ۔۔۔ در جہاں بود شاعر یکتا
۱۲۷۰ ہجری

(باقی صفحہ آئندہ)

ہوئی سارے جہاں میں میری عزت — کہ مبلغ چار سو نقد اور خلعت

ملا یہ بعد عمر شصت سالہ — تصدق شہ کا رومال اور دو شالہ

بقول مصحفی دلگیر کی طبیعت مکتب نشینی کے زمانے میں کم عمری ہی میں شعر گوئی کی طرف مائل تھی۔ سترہ سال کے سن میں اور ناصر لکھنوی کے کہنے کے مطابق ١٢ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا تھا[1]۔ اور نوازش حسین عرف مرزا خانی[2] کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ تالیف ریاض الفصحا کے وقت بزرگوں کے فیض صحبت سے کلام میں ایسی پختگی آ گئی تھی کہ اپنے استاد کے ہم پلہ ہونے لگے تھے[3]۔ غزل میں طرب تخلص کرتے تھے[4]۔ جب مرزا خانی صاحب نے کانپور کی سکونت اختیار کی تو دلگیر اپنے استاد کے ارشاد کے مطابق شیخ ناسخ[5] سے مستفید رہے[6]۔

دلگیر ایام شباب میں بڑے رند منش اور رنگین مزاج تھے۔ چنانچہ اسی لاابالی کے عالم میں مذہب آبائی ترک کر کے مسلمان ہو گئے اور غزل گوئی کے بجائے مرثیہ کہنا شروع کیا[7]۔ شیفتہ (متوفی ١٢٨٦ھ ہجری) نے دلگیر کے تبدیل مذہب کی یہ وجہ بتائی ہے کہ چونکہ ائمہ معصومین علیہ السلام سے انھیں بہت زیادہ عقیدت تھی اس لئے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ زیادہ تر مرثیہ کہتے تھے اور اسی مناسبت سے دلگیر تخلص کرتے تھے[8]۔ ناصر کہتے ہیں کہ آخر انھیں شوق مرثیہ گوئی پیدا ہوا اور طرف وسیلہ کے نجات شیدا (لہذا) تاثیر غم حضرت امام حسین علیہ السلام سے طرب سے کنارا کر کے دلگیر تخلص قرار دیا۔ اور بقول محسن لکھنوی اپنا دیوان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مجھے شہید کا ضخیم کلیات (مخطوطہ) جناب راجہ محمود آباد کے کتب خانہ میں دستیاب ہوا ہے۔ اس میں جبہ اصناف سخن میں شعر موجود ہیں کلیات میں حسین آباد کی شرک کی تعریف میں ایک طویل مثنوی ١٢٥٦ھ کی موجود ہے جس کی کتابت کسی احمد حسن نے ١٢ ذی قعدہ ١٢٨٠ھ کو کی ہے۔

[1] خوش معرکہ زیبا ۳۱۱ [2] نوازش: نوازش حسین خاں نام نوازش تخلص عرف مرزا خانی ولد حسین علی خاں ابن نواب نام خاں صوبہ دار کابل و پشاور و غزنی، قوم مغل، نوازش اکبر آباد میں پیدا ہوئے لکھنؤ میں نشو و نما پائی، جواں سال مہذب الاخلاق، خود بین اور خوش ارتباط تھے۔ ستو سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا میر سوز کا تتبع کرتے تھے اور اپنے کو ان کا شاگرد سمجھتے تھے دو دیوان تصنیف کئے ریاض الفصحا ۲۲۹ رجب علی بیگ سرور انھیں قبلہ و کعبہ، خرد آگاہ دانش آموز یادگار جناب میر سوز (متوفی ١٢١٣ھ) عرفی عصر سعدی زماں اور رشک انوری کہتے ہیں (فسانۂ عجائب ۳۰) کمال نے مجمع الانتخاب سال تحریر ١٢١٥ھ میں انہیں یادگار میر ضاحک کہا ہے راقم الحروف کو راجہ محمود آباد کے کتب خانے میں دیوان نوازش کا ایک قلمی دیوان دستیاب ہوا ہے۔ یہ مصنف کے ہاتھ کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اکثر اشعار کی اصلاح کی گئی اور بہت سے اشعار قلمزد کر کے پھر سے لکھے گئے ہیں۔ دیوان میں اکثر مقامات پر "مرزا جانی" اشعار میں آ گیا ہے مخطوطہ دیوان نوازش کا تقریباً ۷۰ ہے [3] ریاض الفصحا ۱۰۱ [4] گلشن بیخار ۸۸ [5] گلشن ہمیشہ بہار ۲۱۵ [6] راقم کو راجہ محمود آباد کے کتب خانے میں دیوان ناسخ کے کئی مخطوطات دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے ایک مخطوطہ بہت ہی پرانا ہے جس میں تاریخ ١٢٣٠ھ ہجری تک کا کلام متن میں ہے اس میں ناسخ کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام بھی موجود ہے۔ آخر میں حسین علی کی مہر ہے جس پر ١٢٤١ھ ہجری کندہ ہے ناسخ کا انتقال ١٢٥٤ھ میں ہوا۔ [7] خوش معرکہ زیبا ۳۱۱ [8] آثار الشعرائے ہنود ۵۵ [9] گلشن بیخار ۸۸

موتی جھیل میں ڈبو دیا۔[1] اس میں دلگیر نے ۱۲۳۰ھ ہجری میں مذہب اسلام قبول کیا تھا جیسا کہ ناصر لکھنوی کہتے ہیں۔

"سال یک ہزار و دو صد و سی (۱۲۳۰ھ) میں شرف اسلام سے مشرف اور شیعہ امیر المومنین سے ہم طرف ہوا"[2]

جناب سید مسیح الزماں صاحب کو دلگیر کے تبدیل مذہب کے بارے میں یقین نہیں آتا ہے وہ کہتے ہیں:۔

"یہ نہیں معلوم کہ انھوں نے رسمی طور پر باقاعدہ تبدیل مذہب کیا تھا یا صرف رہن سہن کے انداز اور خیالات کی بناء پر لوگوں نے قیاساً ایسا لکھ دیا ہے۔ کیونکہ باقاعدہ مذہب تبدیل کرنے میں عموماً نام بھی رکھا جاتا ہے۔ لیکن دلگیر کے کسی معاصر یا بعد کے تذکرہ نویس نے کہیں ان کے کسی نئے نام کا ذکر نہیں کیا"[3]

مجھے مسیح الزماں صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے اتفاق نہیں ہے کہ دلگیر نے تبدیل مذہب کے بارے میں نہ تو کوئی باقاعدہ اعلان کیا تھا یا ان کا اسلامی نام کسی معاصر یا بعد کے تذکرہ نویس نے نہیں لکھا ہے۔ پٹنہ میں خوش معرکہ زیبا کا جو مخطوطہ ہے اس کے حاشیہ پر دلگیر کے ترجمہ میں مزید یہ عبارت درج ہے:۔

"سابق میں حسب بیان دلگیر ہنود تھا ...... جب سے مسلمان ہوئے اپنا نام غلام حسین مقرر کیا"[4]

میری تحقیق کے مطابق دلگیر نواب سعادت علی خاں (متوفی ۱۲۲۹ھ ہجری) کے زمانہ تک ہندو تھے۔ بادشاہ غازی الدین حیدر کے ابتدائی عہد حکومت ۱۲۳۰ھ میں اپنا آبائی مذہب چھوڑ کے دائرہ اسلام میں آگئے اور اسی زمانہ میں غزل گوئی کو سلام کر کے مرثیہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ پہلے طرب تخلص کرتے تھے اور بعد میں دلگیر کے نام سے اس قدر شہرت پائی کہ معاصر تذکرہ نویسوں نے اسی تخلص کے تحت ان کا ترجمہ قلم بند کیا۔ یہاں تک کہ مصحفی ذہین کے ترجمہ میں ۱۲۲۱ھ ہجری میں لکھتے ہیں:۔

"ذہین ...... شاگرد لالہ چھنو لال کہ حالا دلگیر تخلص می گذارد در مرثیہ و سلام می گوید و نامی در مرثیہ گوئی پیدا کردہ"[5]

دلگیر ۳۰ سال کی عمر میں اچھے خاصے شاعر مانے جاتے تھے وہ نواب سعادت علی خاں کے مداح تھے اور بڑی شہرت کے مالک تھے۔ نواب موصوف نے انھیں اپنے ہم چشموں میں طرح طرح کی نوازشوں سے ممتاز کیا تھا۔ اور دلگیر برسوں تک ان کی سرکار سے وابستہ رہے نواب کے انتقال کے بعد جس سال بادشاہ غازی الدین حیدر کے عہد میں مسلمان ہوئے اسی سال تعزیہ خریدا اور مجلس عزا برپا کرنے لگے۔ جب بادشاہ

---

[1] موتی جھیل لکھنؤ (عیش باغ) میں آصف الدولہ کی بنا کردہ ہے (فسانۂ عبرت ص۱۲۲)، [2] سراپا سخن ص۱۱۵
[3] خوش معرکہ زیبا ص۱۰۔ [4] اردو مرثیے کا ارتقا ص۲۰۰۔ [5] ریاض الفصحا ص۹۵

کو ان کے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں علم ہوا تو انھوں نے خوشی سے ان کے اعزاز میں اضافہ کیا اور اس طرح کئی برس تک ان کی رفاقت میں رہے۔ بدقسمتی سے جب منتظم الدولہ نواب حکیم مہدی علی خاں کشمیری[1] وزیر ہوئے تو دلگیر کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ ان پر اضافہ موقوف کیا گیا۔ وہ پراگندہ حال ہونے لگے اور مقروض بھی ہوئے۔ یہ سلسلہ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانہ تک رہا۔ جب محمد علی شاہ بادشاہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے تو ابتدا میں دلگیر عدم توجہ کا شکار ہوئے۔ پھر انھوں نے بادشاہ موصوف کی خدمت میں اپنی زبوں حالی اور پریشانیوں کی روداد تین منظوم عرضداشت کے ذریعہ ارسال کی۔ عرضداشت کے اخیر میں بادشاہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ انھیں اپنے ہم چشموں میں سرفراز کریں ان پر نظر عنایت کی جائے تاکہ ان کا قرضہ بھی ادا ہو جائے اور مجلسیں بھی ترک نہ ہوں۔ چنانچہ عرضداشت اول میں کہتے ہیں ؎

ہوا میں جو مشہور مداح شاہ ۔۔۔ کہ آگہہ ہوئے جنت آرامگاہ[2]
یہ سن کر کیا آپ نے سرفراز ۔۔۔ دیا مجھ کو ہم چشموں میں امتیاز
بڑھا جب کہ معروضہ خانہ زاد ۔۔۔ کرم سے کیا نام بندے پہ صاد
اسی طرح برسوں ملازم رہا ۔۔۔ دعا گو ہمیشہ یہ خادم رہا
زمانہ جو شاہ زمن کا ہوا ۔۔۔ مشرف باسلام بندا ہوا
اسی سال میں نے لیا تعزیہ ۔۔۔ نہیں میری اس عرض میں کچھ ریا
جو نواب مرحوم آئے یہاں ۔۔۔ پڑی مجھ پہ یہ گردش آسماں
کہ موقوف میرا اضافہ ہوا ۔۔۔ بہت تب سے مقروض بندہ ہوا

عرضداشت دوم سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ محمد علی شاہ نے دلگیر کو دو سو روپیہ کا عطیہ

---

[1] حکیم مہدی علی خاں کشمیر کے رہنے والے تھے۔ برادر زبردست شخصیت کے آدمی تھے ابوالفضل اور سعد اللہ خاں کی ٹکر کے آدمی تھے۔ رفاہ عام کے لیے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔ انگریزی و ہندوستانی دواخانے ڈاکٹر اسٹیونسن اور مرزا علی اکبر کے اہتمام سے کھولے۔ چھاپہ خانہ سلطانی لیتھوگرافک یعنی پتھر کا خریدا اور ارچرصاحب کو اس کا نگراں پانچ سو روپیہ مہینہ پر رکھا گومتی پر لوہے کا پل بنوایا جو اب تک موجود ہے۔ انگریزی اسکول کھولا اور موتی محل میں رصدخانہ سلطانی بنوایا (قیصر التواریخ صفحہ ۳۰ جلد اول) ۲۹ رمضان ۱۲۵۳ھ دوشنبہ کی رات میں انتقال کیا۔ تاریخ وفات یہ ہے ؎

چوں منتظم الدولہ وزیر عادل ۔۔۔ از دار فنا کرد بجنت منزل
تاریخ وفات آں وزیر کامل ۔۔۔ نواب شدہ برحمت حق واصل

(فسانہ عبرت صفحہ ۴۵۔ حالات منتظم الدولہ صفحہ ۲ عنبر علی)

[2] جنت آرامگاہ۔ یہ خطاب نواب سعادت علی خاں کو انتقال کے بعد ملا تھا (وزیر نامہ صفحہ ۱۵ سید محمد میر علی خاں مطبوعہ ۱۲۹۲ھ ہجری)

عنایت فرمایا۔ اور انھوں نے یہ پوری رقم عزاداری پر صرف کی۔ عرضداشت میں مزید یہ بھی کہا گیا کہ ان کی خاطر خواہ امداد کی جائے تاکہ لوگ قرض کی ادائگی کا تقاضا دوبارہ نہ کریں ؎

یہ دو سو جو مجھ کو عنایت کئے   زیادہ یہ تھے مجھ کو دو لاکھ سے
یہ جو کچھ کہ مجھ کو عنایت ہوا   ہوا سب کا سب صرف بزم عزا
کہ ہو اتنی اب پرورش کی نگاہ   تقاضا کریں تا نہ پھر قرض خواہ
اضافہ کا بندہ ہے امیدوار   نہ مقروض ہو تاکہ یہ صدقہ خوار

عرضداشت سیوم سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ دلگیر ۱۲۱۵ھ ہجری سے ۱۲۵۵ھ ہجری تک یعنی چالیس سال پریشان حال رہے اور پھر ۴۰ سال کے بعد محمد علی شاہ نے ان کی قدر و منزلت میں اضافہ کیا اور انھیں اپنے ہم چشموں میں سرفراز کیا۔ کہتے ہیں ؎

میں کس زباں سے کروں شکر پرورش کا ادا   کہ خانہ زاد اضافے سے سرفراز ہوا
ہوائے شکر کرے کیا یہ بندۂ جاوید   نہ ذرہ کر سکے شکر عنایت خورشید
ہزار شکر مرا بخت نحس سعد ہوا   کہ قدرداں مرا چالیس[1] سال بعد ہوا
کرم سے آپ کے رتبہ مرا دوچند ہوا   میں سرفراز ہوا اور میں سربلند ہوا
مجھے یقیں ہے اب افلاس دور ہو میرا   زہے نصیب نظر کردۂ حضور ہوا

دلگیر کی غزل گوئی

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ دلگیر صاحب دیوان تھے اور وہ غزلوں میں طرب تخلص کرتے تھے۔ بقول مولف خمخانۂ جاوید[2] وہ عہد قدیم کے شعرا میں ممتاز تھے۔ غزل میں سنگلاخ زمینیں بہت پسند تھیں۔ ان کی غزلیں تذکروں میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ ہمیں ان کی غزلوں کے جتنے بھی شعر دستیاب ہوئے ہیں وہ ذیل میں یکجا کر کے پیش کئے جاتے ہیں ؎

کس کو دکھاؤں میں یہ بھلا ماجرائے چشم   ناسور پڑ گئے ہیں عزیزو بجائے چشم
ان دونوں پر ہے عشق میں ایک حادثہ پڑا   روتی ہے چشم بہر دل و دل برائے چشم
مجھ کو کسی سے خلق میں بجز چشم وفا نہیں   رویا نہ میرے حال پہ کوئی سوائے چشم
باتیں تری سنا کریں اور دیکھیں تری شکل   وہ مدعائے گوش ہے یہ مدعائے چشم

آوے طرب جو تیرا وہ خوش چشم باغ میں
نرگس کے دستے کیجو تو بھی فدائے چشم

---

[1] یہاں دلگیر کی رائے میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ نواب سعادت علی خاں کے ابتدائی زمانہ میں وہ اپنے ہم چشموں میں ممتاز رہے ہوں گے۔ (حیدری)

[2] خمخانۂ جاوید صفحہ ۲۳۳ جلد پنجم

کام اپنا خیالِ رُخِ جاناں سے نکالا
کارِ شبِ عشرت شبِ ہجراں سے نکالا

یہ ساری پریشانیاں کیں ہم نے گوارا
لیکن نہ دل اُس زلفِ پریشاں سے نکالا

ہم سہہ نہ سکے طعنۂ ابنائے زمانہ
غیرت نے ہمیں محفلِ یاراں سے نکالا

یہ طالبِ ایذا ہیں کہ جو پاس لگا خار
ہم نے جو نکالا اُسے پیکاں سے نکالا

دل کو شطِ الفت میں طرب آپ ڈرایا
وابستہ اُسے ہم نے نہ طوفاں سے نکالا

سدا شبنم کو اپنی چشمِ تر پر رشک آتا ہے
گلِ تر کو گلِ زخمِ جگر پر رشک آتا ہے

ہماری آہ نے ایسا اثر پیدا کیا ہے اب
دعائے خلق کو جس کے اثر پر رشک آتا ہے

قدم بوسی جاناں ہر گھڑی اس کو میسر ہے
مرے ہونٹوں کو اس کے سنگِ در پر رشک آتا ہے

یہ رخسارِ صنم پر کیا ہی گستاخانہ پھرتی ہے
ہمیں تو ہر گھڑی اپنی نظر پر رشک آتا ہے

نہ جس کو دین کی خاطر ہے نے کچھ کامِ دنیا ہے
طرب ہم کو بس ایسے ہی بشر پر رشک آتا ہے

یہ کس کی جستجو میں اس قدر بیتاب پھرتا ہے
جو یوں آنکھوں پہ ہر خورشیدِ عالم تاب پھرتا ہے

زبس میں گرد پھرنے کی ہوس میں اُس کے روتا ہوں
تو اشک آنکھوں سے گر کر صورتِ گرداب پھرتا ہے[لہ]

اس قدر آنکھوں میں اپنی کھب گئی تصویرِ یار
اس کا خالِ رخ ہماری آنکھ کا تِل ہو گیا

پٹی نہ کھولی آنکھ سے ہنگامِ ذبح بھی
ارمانِ دید کا دلِ بسمل میں رہ گیا

مزاج اب رحم پر آیا ہے شاید اے طرب اس کا
جو شب اس شمع رو نے خود بخود گلگیر کو توڑا

عطر اس کے نہانے سے بسکہ آب ہوا
حبابِ بحر ہر اک شیشۂ گلاب ہوا

صاف طینت کو نہ کج طبع سے پہنچے آسیب
جس طرح کاٹے سے کٹتا نہیں شمشیر سے آب

تیر سی لگتی ہیں برسات میں بوندیں تن پر
اُس بغیر اب نہیں کم حق میں مرے تیرے آب

عرقِ شرم میں یہ غرق ہوا میں دم قید
کہ ٹپکنے لگا ہر حلقۂ زنجیر سے آب

سختیاں سی سختیاں کھینچی تھیں ہنگامِ بہار
کیوں نہ کانپ اُٹھے مرا دل سنتے ہی نامِ بہار

پھوڑ سر کو جیب کے ٹکڑے کر اور جنگل کو چل
ان دنوں میں مجھ کو یہ پہنچے ہیں احکامِ بہار

اب طرب رونا عبث ہے دل کو بیکل دیکھ کر
دل تجھے دینا تھا ناداں روزِ اول دیکھ کر

عالمِ دیوانگی میں اپنا سر ہے اور سنگ
ہے ہجومِ کودکاں اک شور و شر ہے اور سنگ

لہ ریاض الفصحیٰ صہ ۱۸۹

جب دیکھی اُس نے تیری کلائی کی نازکی — مانی کو ساری بھول گئیں دستکاریاں
گر نہ اس سبزہ میں ہو ہمراہ یار سبزہ رنگ — سبزہ آنکھوں میں لگے جوں نیشتر برسات میں
خوف بارش ہو انھیں رکھتے ہوں جو دیوار و در — مجھ بیاباں گرد کو ہو خاک ڈر برسات میں
جو ہو ایذا کبھی دست یار سے ہے وجب راحت — عجب کیا گر نمک پاشی سے اس کی کار مرہم ہو
بوقت نزع زباں بند جب ہوئی اپنی — تب اُس نے پوچھا کہ کہہ کیا ہے آرزو دل کی
مژدہ اے چشم گہربار اب ہوا یہ گوش زد — بہر زینت یار کو سلک گہر درکار ہے
نقش حب کی عاشق صادق کو ہے کیا احتیاج — آہ میں بس اس کو تھوڑا سا اثر درکار ہے
ہر دم تڑپ رہا ہے بسمل نہیں تو کیا ہے — تیغ نگہ کا کشتہ یہ دل نہیں تو کیا ہے
اس کی طلب ہے جس کا ملنا نہیں ہے ممکن — ہم کو اگر خیال باطل نہیں تو کیا ہے
میں تو کچھ کہتا نہیں یہ کیجئے وہ مت کیجئے — لیکن اتنی عرض ہے بندے کو رخصت دیجئے
اس کی غفلت اور کبھی ہشیار کرتی ہے مجھے — واں فراموشی ہے جتنی اتنی ہی یاں یاد ہے[1]
گئے جہاں سے گذر ہم جو نہ وعدہ پر تب آیا — بہانا اس کا گویا موت کا اپنی بہانا ہے[2]

مرثیہ گوئی

دلگیر اپنے زمانے میں نامور مرثیہ گو تھے۔ اور بقول مصحفی "نامی در مرثیہ پیدا کردہ"[3]۔ وہ فن مرثیہ گوئی میں بے مثال اور صاحب کمال تھے[4]۔ مؤلف خمخانۂ جاوید کہتا ہے کہ

"چونکہ وہ صاحب استعداد تھے اس لئے اس میں اچھا نام پایا۔ نواب سعادت علی خاں اور غازی الدین حیدر کے زمانہ کے مرثیہ گویوں کے سرتاج سمجھے جاتے تھے"[6]

شیفتہ رقم طراز ہیں کہ ان کے مرثیے بہت مشہور ہیں۔ اور زبان زد عام ہیں[7]۔ رجب علی بیگ سرور[8] نے خصوصیت کے ساتھ دلگیر کی مرثیہ گوئی کو سراہا ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق انھوں نے سنہ ۱۲۳۰ ہجری میں قلیل عرصے میں سلام اور مرثیہ کا دیوان ضخیم مرتب کیا تھا وہ لکھتے ہیں:

---

[1] خمخانۂ جاوید صفحہ ۲۳۴ جلد پنجم۔ [2] گلشن بیخار مخطوطہ صفحہ ۱۲۲۔ [3] ریاض الفصحا صفحہ ۹۵۔ [4] رسالہ سوانح عمری صفحہ ۱۲۔ [5] تذکرہ آثار الشعرائے ہنود صفحہ ۵۵۔ [6] خمخانۂ جاوید صفحہ ۱۹۳ جلد چہارم (مؤلف خمخانۂ جاوید کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ دلگیر نواب سعادت علی خاں کے زمانہ میں بحیثیت مرثیہ گو مشہور تھے)۔ [7] گلشن بیخار ص — مخطوطہ محمود آباد۔ [8] رجب علی بیگ نام سرور تخلص ولد مرزا اصغر علی لکھنوی شاگرد نوازش حسین خاں نوازش صاحب دیوان و سرور سلطانی ترجمہ شمشیر خانی و شگوفۂ محبت و گلزار سرور و فسانۂ عجائب اردو نثر خوب لکھتے تھے۔ اوائل سنہ ۱۲۰۰ ہجری میں کلکتہ گئے تھے۔ راجہ بنارس کی سرکار سے متعلق تھے (خمخانۂ شعرا صفحہ ۲۲۳) فسانۂ عبرت مرتبہ مسعود حسن رضوی بھی انہی کی تصنیف ہے۔ راجہ محمود آباد (باقی صفحہ آئندہ پر)

"مرثیہ گوئے بے نظیر میاں دلگیر صاف باطن نیک ضمیر خلیق فصیح مرد مسکین مکروہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا۔ اللہ کے کرم سے ناظم خوب سکندر طالع بصورت گدا آبادِ احسان اہلِ دول کا نہ اٹھایا۔ عرصۂ قلیل میں مرثیہ سلام کا دیوان کثیر فرمایا"[1]

اُردو کے تمام مرثیہ گو شعراء کے مقابلے میں راقم الحروف کو دلگیر کا کلام زیادہ سے زیادہ تعداد میں دستیاب ہوا ہے۔ ان کا مجموعہ کلام اب روز بروز نایاب ہوتا جارہا ہے۔ جناب ابو اللیث صدیقی[2] اور مسیح الزماں صاحب[3] نے اپنی کتابوں میں ان کے مراثی کی سات جلدوں کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں مراثی دلگیر جلد دوم کے آخری صفحہ کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نول کشور پریس لکھنؤ سے ان کے مراثی کی سات جلدیں شائع ہوئی تھیں۔ مجھے ان کی صرف پہلی چھ جلدیں دستیاب ہوئیں۔ ساتویں جلد انتہائی کوششوں کے باوجود کہیں بھی دستیاب نہیں ہوئی۔ جناب مسعود حسن رضوی کے کتب خانے میں پہلی پانچ جلدیں موجود ہیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی میں پہلی تین جلدیں اور امیر الدولہ پبلک لائبریری لکھنؤ اور راجہ محمود آباد صاحب کے کتب خانے میں پہلی چھ جلدیں ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ صدیقی صاحب اور مسیح الزماں صاحب کو ساتویں جلد کہاں دستیاب ہوئی۔ ان مراثی کی تفصیل یہ ہے :-

جلد اول	تعداد صفحات	۵۰۳	ہر صفحہ پر ۹ بند	سنہ طباعت	اکتوبر	سنہ ۱۸۸۸ء
جلد دوم	؍؍	۵۰۰	؍؍	؍؍		سنہ ۱۸۹۶ء
جلد سوم	؍؍	۴۹۶	؍؍	؍؍	مئی	سنہ ۱۸۹۶ء
جلد چہارم	؍؍	۵۰۳	؍؍	؍؍	دسمبر	سنہ ۱۸۸۵ء
جلد پنجم	؍؍	۵۰۲	؍؍	؍؍	اگست	سنہ ۱۸۸۶ء
جلد ششم	؍؍	۲۳۲	؍؍	؍؍	دسمبر	سنہ ۱۸۸۶ء

جلد اول کے خاتمہ کی عبارت یہ ہے :-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے کتب خانے میں ان کی بہت سی تصانیف نظر سے گزری ہیں۔ سرور کا انتقال سنہ ۱۲۸۳ ہجری میں ہوا۔ منشی دیبی پرشاد سحر نے تاریخ کہی ؎

چوں مرد شاعر بے مثل سرور — در جہاں شور و شغب کرد ظہور
ہست جاری بزبان ہر کس — ہائے آمد الم در رفت سرور

(دیوان سحر صفحہ ۲۰، مطبوعہ سنہ ۱۸۸۱ء)

[1] فسانۂ عجائب صفحہ ۲ [3] لکھنؤ کا دبستان شاعری صفحہ ۷۰۹ مطبوعہ دہلی سنہ ۱۹۶۵ء

[2] اُردو مرثیے کا ارتقاء صفحہ ۳۰۹

"بعد حمد و نعت کے شائقین مصائب سید الشہدا اور سامعین فضائل مظلوم کربلا و دشت نینوا پر واضح ہو کہ ان دنوں فضل یزدانی و کرم ربانی سے جس محبوب خوش اسلوب کا ہر شخص کو اشتیاق تھا یہ گوہر بے بہا یعنی کلام بلاغت نظام قدوۃ الشعراء زبدۃ الفصحا طوطی شکرخائے لب نغمہ سرا فردوس مکاں عرش آشیاں مقبول بارگاہ رب قدیر جناب منشی دلگیر اعلی اللہ مقامہ بہیئت مجموعی بہ صرف کثیر کارپردازان مطبع اودھ اخبار کو دستیاب ہوا۔ پانچ جلدوں پر تقسیم کیا گیا۔ اس جلد اول میں سلام و خمسہ و مسدس و مرثیہ ہیں۔ بار دوم مطبع فیض منبع صاحب بذل، ہمم منبع جود و کرم مشہور نزدیک و دور جناب نول کشور .... واقع لکھنؤ محلہ حضرت گنج بماہ اکتوبر ۱۸۸۸ء مطابق ماہ صفر المظفر ۱۳۰۶ھ میں حلیہ طبع سے آراستہ ہو کر حمائل گلوئے مشتاقان ہوئی۔"

یہ جلد مجموعہ مرثیہ دلگیر اور کلیات مرثیہ دلگیر یعنی دو نام سے نولکشور پریس لکھنؤ سے چھپی ہے۔ صفحہ اول سے ۲۷۷ صفحہ تک سلام اور ایک مخمس در منقبت حضرت علی ہے پھر صفحہ ۲۷۷ سے ۵۰۳ صفحہ تک مراثی ہیں۔

جلد دوم اس عبارت پر ختم ہوتی ہے:۔

"ہم عصر جناب میر خلیق و میر ضمیر شاعر نامی و گرامی منشی دلگیر حاوی فن نظم و نثر تھے جلد دوم کلیات مرثیہ دلگیر بھی تمام ہوئی۔ چونکہ یہ مجموعہ نادرات روزگار سے ہے اور اہل کمال جستجو سے بحکم جناب منشی نول کشور آنجہانی اس کمیاب بلکہ نایاب کو دستیاب کیا اور مدار کل خوانندگان مرثیہ و شائقان گریہ با حوال آل عبا کا اسی پر ہے۔ علی الخصوص نامی خوانندگان کا بلکہ موجد طرز سوز خوانی میر علی صاحب و سلطان علی خاں اور اکثر اہل کمال کی سوز خوانی و خواندگی انہیں مرثیوں پر تھی۔ علاوہ اس جلد دوم کے حصہ اول و جلد سوم لغایت جلد ہفتم طبع شدہ مطبع میں موجود ہیں۔"

جلد پنجم کا خاتمہ:۔

"۔۔ واضح ہو کہ ان دنوں فضل ربانی و کرم یزدانی سے جس محبوب خوش اسلوب کا ہر شخص کو اشتیاق تھا وہ گوہر بے بہا یعنی کلام بلاغت نظام قدوۃ الشعرا زبدۃ الفصحا، فردوس مکاں .... جناب منشی دلگیر ...... بہیئت مجموعی بہ صرف کثیر کارپردازان مطبع اودھ اخبار کو دستیاب ہوا۔ چھ جلدوں پر تقسیم کیا گیا۔ جلد اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم تیار ہوئی۔ جلد ششم زیر طبع ہے جلد اول میں رباعیات، سلام، و خمسہ، مسدس و مرثیہ ہیں، اور باقی پانچ جلدوں میں ہر حال کے مرثیے ہیں۔"

جلد ششم کے اخیر میں یہ عبارت ہے:۔

"عاشقان جناب خامس آل عبا اور ماتم داران حضرت سید الشہدا کو اطلاع دی جاتی ہے کہ دریں ولا رونق منبر عزا دسیلۂ نوحہ و بکا مجموعہ لاجواب ذخیرۂ انتخاب یعنی جلد ششم مجموعہ مرثیہ نتیجۂ طبع وقاد مقدمۃ الجیش شاعران دیار برگزیدہ سخنداناں امصار صدر آرائے بزم سخنوری مزین چار بالش فضل و برتری یکہ تاز جولانگاہ بلاغت فارس مضمار فصاحت بلبل ہندوستان...... جناب مرحوم و مغفور منشی دلگیر جن کا کلام ہر دلعزیز اور نہایت پُر تاثیر ہے جس کا ہر مصرعہ درد واقعہ میں نشتر بدل ہے سننے سے دل پہ چوٹ پڑتی ہے جس بیان کو نظم کیا ہے گویا اس کی تصویر کھینچدی ہے۔ معرکہ کربلا آنکھوں کے سامنے ہو جاتا ہے پتھر کا کلیجہ بھی پانی کی طرح بہ جاتا ہے۔ حسب اصرار و استدعاء ذاکرین بخط خوب و کاغذ خوش اسلوب و طرز مرغوب بکمال اہتمام صحت وغیرہ مطبع فیض...... منشی نول کشور باہ دسمبر ۱۸۸۶ء مطابق ماہ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ ہجری طبع ہو کر ہدیۂ ناظرین ہوئی۔"

دلگیر کا کلام ۱۸۹۷ء تک عوام میں فصاحت و بلاغت اور اظہار بیان کی تاثیر کے سبب کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ جتنی اشاعت ان کے کلام کو حاصل ہوئی ہے اتنی ان کے ہم عصر میر خلیق[1]، میر ضمیر[2] اور مرزا فصیح[3] کے نصیب میں نہ تھی۔ کلام کی مقبولیت اور شہرت اس حد تک پہنچی تھی کہ اس زمانے کے مشہور و ممتاز

---

[1] میر خلیق۔ میر مستحسن نام اور خلیق تخلص۔ میر حسن (متوفی ۱۲۰۱ھ) کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ سولہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا تھا (تذکرہ ہندی ص ۹۵ مصحفی) قاسم کہتے ہیں کہ "شیریں گفتار پاکیزہ کردار حسن الخلق واقع شدہ نسبت شاگردی بہ پدر والا اعتبار و برادر نامدار خود دارد" (مجموعہ نغز ص ۲۳۷ جلد اول) خلیق بعد میں مصحفی کے شاگرد ہو گئے تھے۔ انھوں نے محاورے کی صحت و لطافت اور بیان کی سادگی اور سلاست کی طرف زیادہ توجہ دی۔ خلیق کا نفس شعر مصحفی سے قطعی متاثر نظر نہیں آتا۔ ان کے گھر میں کئی پشت سے شاعری کا چرچا تھا، اور لکھنؤ کے سارے باکمال ان کے خاندان کی زبان سیکھنا فخر سمجھتے تھے۔ خلیق نے جو کچھ سیکھا میر حسن سے سیکھا (تعلیم الاولاد ساخ نسخ انساخ ص ۱۳۹ محمد رضا معجز) خلیق کا کلام غیر مطبوعہ ہے۔ ان کے سیکڑوں مرثیوں کے مخطوطات مسعود حسن رضوی کے پاس ہیں۔ ان کا انتقال ۱۲۶۰ھ میں ہوا۔ رشک نے تاریخ کہی ؎

میر مستحسن خلیق افسوس — بس علوم و شفیق بود اُستاد
خوش بیاں شاعرے زباں دانی — خاص در این طریق بود اُستاد
رشک نالید و گفت تاریخش — ہائے ہائے بے خلیق بود اُستاد

۱۲۶۰ ہجری (دیوان رشک ص ۲۱۳)

[2] سید مظفر حسین نام ضمیر تخلص۔ ان کا انتقال ۱۲۶۲ھ ہجری میں ہوا۔ اسیر لکھنوی نے تاریخ کہی ؎

سید پاک و شیعۂ مومن — مرثیہ گوئے بادشاہ انام (باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

سوز خوان جیسے میر علی صاحب ان کے مرثیہ کو سوز کے لہجہ میں پڑھتے تھے اور ان کی سوز خوانی کی شہرت انہی کے کلام کی بدولت تھی (حسین کا ذکر آگے آتا ہے)

مطبوعہ مراثی کے علاوہ اب بھی دلگیر کے قلمی اور غیر مطبوعہ مرثیے مخطوطات کی شکل میں کافی تعداد میں محفوظ ہیں۔ جناب سید مسعود حسن رضوی کے کتب خانے کے علاوہ راقم الحروف کو ان کے بہت سے قلمی مرثیے راجہ محمود آباد اور دیگر ذرائع سے فراہم ہوئے ہیں۔ دلگیر نے یہ مراثی نہ معلوم کس زمانے میں تصنیف کیے تھے البتہ کئی مرثیوں کے اخیر میں سال کتابت بھی درج ہے۔ تفصیلات یہ ہیں؛

(۱) اعدا نے دی شہ کو اک رات کی مہلت — ۴۰ بند (مطبوعہ پانچویں جلد میں ۵۱ بند ہیں)
(۲) پہنچے امیر شام کی مجلس میں جب اسیر — ۳۶ بند سال کتابت ۱۲۴۰ھ ہجری
(۳) جب حسین ابن علی تنہا رہے اکبر کے بعد — ۳۰ بند " " ۱۲۹۶ھ "
(۴) جب قیدیوں کو لے گئے دربار عام میں — ۴۰ بند " " ۱۲۳۶ھ "

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کرد رحلت ز عالم فانی — از خدا یافت در بہشت مقام

گفت سال وفات او دل من

بود سید ضمیر نکوانام

۱۲۷۲ ہجری (دیوان اسیر صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ ۱۲۸۶ھ ہجری)

سے فصیح تخلص، مرزا جعفر علی نام، والد کا نام مرزا ہادی (سخن شعرا صفحہ ۳۶۹) فصیح کی ولادت فیض آباد میں ۱۱۹۶ھ ہجری میں ہوئی۔ ۱۰ سال کی عمر میں اپنے والدین اور قرابت داروں کے ساتھ دلی آئے پھر یہاں سے چند سال قیام کر کے لکھنؤ گئے۔ فصیح حضرت عقیل ابن ابی طالب کی اولاد سے تھے چونکہ ان کے بزرگ ایرانی تھے اسی لئے وہ "میرزا" مشہور ہوئے۔ وہ نام آور مرثیہ گو تھے علم عروض میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ نے انھیں صاحب دیوان و مثنویات لکھا ہے (خوش معرکہ زیبا صفحہ ۴۹۹) مثنوی برق لامع، نان و نمک اور خجستہ زمزم کے مصنف ہیں (جلوۂ خضر صفحہ ۲۵۵ جلد دوم صفیر بلگرامی) برق لامع مجھے دستیاب نہیں ہوئی۔ مثنوی نان و نمک پہلی مرتبہ ۱۲۶۲ھ میں مطبع محمدی لکھنؤ سے مرزا علی کے اہتمام سے شائع ہوئی ہے۔ میرے پاس جو نسخہ ہے وہ آغا غلام رسول کی فرمائش سے مطبع اودھ گزٹ لکھنؤ میں شیخ قادر بخش کے اہتمام سے ۱۹ ذی قعدہ بروز جمعہ ۱۳۰۹ھ ہجری مطابق ۲۳ مئی ۱۸۹۲ء کو قیصر باغ اندرون چاندی والی بارہ دری سے شائع ہوئی۔ مثنوی خجستہ زمزم اب نایاب ہے۔ یہ اصول دین کے بیان کے سلسلے میں ہے اور ۱۲۵۱ھ میں تصنیف کی گئی ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ راجہ محمود آباد کے کتب خانے میں ہے۔ ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:۔

"تمام شد مثنوی من تصنیفات مرزا جعفر علی فصیح صاحب مرحوم در شہر ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ تاریخ دہم روز عید قربان بخط بے ربط احقر الناس محمد عباس لکھنوی نوکر جناب سید الشہدا علیہ السلام بپاس خاطر عالی مقام قادری صاحب در قصبہ محمود آباد علیہ تحریر پوشیدہ در ۱۲۶۱ھ صحیح شود"

فصیح حج بیت اللہ کے لیے گئے تھے اور کعبہ کے کلید بردار ہوئے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں۔

(۵) جب ہوگئی بابا سے جدا فاطمہ صغرا — ۳۵ بند سنہ ۱۲۶۲ھ مالکہ سابق بی بی ہوتی خانم صاحبہ

(۶) سر پیٹ کے زینب نے کہا رن کو نہ جاؤ اے سید مظلوم — نوحہ (یہ مستزاد نوحہ دگیر کا انوکھا ہے۔ تعداد شعر ۳۵)

(۷) جس دم سفر شام ہوا اہل حرم کو — ۳۶ بند

(۸) عشق سے جب عابد بیمار نے فرصت پائی — ۲۹ بند

(۹) قید میں آل نبی جب سر دربار آئے — ۳۸ بند بقلم ولایت علی خوشنویس برائے منظفر الدولہ ۲۹ شوال ۱۲۶۲ھ

(۱۰) کی صف کشی جو دشت میں افواج شام نے — ۴۲ بند ، ذی قعدہ ۱۲۵۴ھ ہجری

(۱۱) ماں باپ سے فرزند نہ دشمن کے جدا ہوں — ۵۳ بند مطبوعہ جلد پنجم صفحہ ۲۳۵ پر یہ مرثیہ صرف ۴۳ بند کا ہے

(۱۲) مدینے میں عزیزہ قاصد صغرا جو آ پہنچا — ۴۰ بند

(۱۳) یارو حسن کو درثہ حضرت حسن ملا — ۴۰ بند برائے منظفر الدولہ ۱۲۶۱ھ ہجری

(۱۴) یارو حیدر کی شجاعت سے خدا واقف ہے — ۳۱ بند

ایک اور بیاض میں دگیر کے حسب ذیل غیر مطبوعہ مرثیے دستیاب ہوئے ہیں۔ بیاض کے ایک صفحہ پر ۱۲۶۲ھ ہجری کی تاریخ درج ہے۔

(۱) بے پر کا اپنے جو تھا انتظار صغرا کو — ۳۹ بند

(۲) جب آخری خط آیا شہ دیں کی طلب کا — ۳۱ بند

(۳) جب آیا اسیروں کے لیے حکم رہائی کا — ۳۲ بند

(۴) جب شام سے پھر آئے اسیران اہل بیت — ۳۳ بند

(۵) جب سامنے ظالم نے اسیروں کو بلایا — ۳۶ بند

(۶) جب کہ شبیر کے خیمہ میں در آئے ناری — ۴۳ بند (مطبوعہ جلد پنجم میں ۴۳ بند ہیں)

(۷) جب مدینہ میں حرم قید سے چھٹ کر آئے — ۳۰ بند

(۸) عزیزو شیر خدا کی بھی کیا فضیلت ہے۔ — ۳۹ بند

ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد میں یہ دو مرثیے ہیں :-

(۱) کٹ گیا جب سر سردار دو عالم تن سے — ۴۴ بند

(۲) ہو کے مجروح جو بابا کو پکارا اکبر — ۲۲ بند

علاوہ ازیں کتب خانہ سالار جنگ میں بھی دگیر کے کئی قلمی مرثیے محفوظ ہیں۔ یہاں ایک مخطوطہ زیر نمبر ۶۰۵ "مجموعہ مراثی" کے عنوان سے ہے۔ مخطوطہ کی کتابت ۱۲۳۹ھ ہجری میں ہوئی ہے اس میں دگیر کے پچھ مرثیے ہیں۔ غرضیکہ دگیر کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مراثی کا جو نادر اور نایاب ذخیرہ ہمیں دستیاب ہوا ہے اس کے پیش نظر میں اس نتیجے پر پہنچ گیا ہوں کہ اتنا زمانہ گزرنے کے بعد آج بھی ان کا کلام ایک لاکھ سے زاید

اشعار کی تعداد میں موجود ہے

دلگیر کے کلام میں مرثیہ کے اجزاے ترکیبی کی جملہ خوبیاں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:-

سراپا:- حضرت عباس کا سراپا یوں بیان کرتے ہیں:-

تھی کعبہ کی محراب سے ابرو کی فزوں شان   اور قوس و قزح جس پہ کہ سو جان سے ہو قرباں
کھنچی تھی کماں تیر قضا کی کہ الاماں   تھی قوس فلک دیکھ کے اس قوس کی زباں
تشبیہ اُسے کس طرح دوں کاہکشاں سے
بہرام فلک دنگ تھا اس سخت کماں سے

چار آئینہ پر آیتیں مصحف کی تھیں مرقوم   قرآں کے وہ چار ورق ہوتے تھے معلوم
اور ایسی زرہ پہنے سے وہ خاصۂ قیوم   ہر حلقے پہ جو چشم ملک ہوتی تھی مفہوم
دستانے بھی وہ دست مبارک میں چڑھے تھے
جو دست ید اللہ میں خیبر میں چڑھے تھے

رجز:-

میرے سوا اب کون ہے ہم شوکت و شان نبی   روح نبی خون نبی جسم نبی جان نبی
میں رونق فردوس ہوں سرو گلستان نبی   ماہ درخشان علی مہر درخشان نبی
ہر ایک نبی کا فخر ہوں روح خدا کی روح ہوں
میں وارث یعقوب ہوں میں یادگار نوح ہوں

ملبوس جسم انبیا اب ہے مرے زیب بدن   معراج میں پہنے تھے یہ محبوب رب ذوالمنن
عمامۂ یعقوب ہے یوسف کے تن کا پیرہن   یہ ہے قبائے مرتضیٰ یہ ہے کمر بند حسن
اب صاحب تطہیر ہے زینب بجائے فاطمہ
سر پہ مری ہمشیر کے ہے یہ ردائے فاطمہ

فوج کی ابتری اور ہلچل:-

گر صف پہ سواروں کی گیا حشر دلاور   وہ سمجھے نہ ہم گھوڑوں پہ تھے یا کہ زمیں پر
کچھ مر گئے آپس ہی کے گھوڑوں سے کچل کر   بہتوں کے قدم نکلے رکابوں سے نہ باہر
آپس کے ہزاروں ہی پڑے گھونسے تھے ان پر
یا گھوڑوں پہ وہ لگ گئے یا گھونٹے تھے ان پر
گر کے جو گئے گھوڑوں پہ چڑھنے کئی سوار   بے ہوش و حواس ایسے تھے وہ ظالم غدار

سمجھے نہ کدھر دم ہے کدھر ہے سر رہوار　　　کچھ باگ میں دُمچی میں کیا فرق نہ زنہار
سب یال کی جا گرۂ دم رہوار بکف تھے
بیٹھے طرفِ سر تھے تو منھ دم کی طرف تھے

علم سے

طوبیٰ سے بھی ارفع ہے یہ تھی شان علم کی　　　آتی تھی پھریرے سے ہوا باغِ ارم کی
تھی ایسی چمک برق کبھی گرنے پہ چمکی　　　موسیٰ کے عصا نے بھی گردن وہاں خم کی
عباس حقیقت میں شہ ملک نما تھا
کاندھے پہ نہ تھا اُن کے علم بالِ ہما تھا

واقعہ نگاری سے

چہروں سے لعینوں کے ہزیمت تھی نمودار　　　یاں شیروں کے گھوڑوں پہ شجاعت کے تھے آثار
ترتیب کو لشکر کی عمر آتا تھا ہر بار　　　ہر ایک سے کہتا تھا کہ اس سمت سے ہشیار
ہر غول کے ساتھ کے جواں چھانٹ رہا تھا
ہتھیار بھی اور خلعت و زر بانٹ رہا تھا
گہ میمنہ پر جاتا تھا گھوڑے کو ڈپٹ کر　　　کہتا تھا نا سب ہے ادھر باندھو بن کر
گہ میسرہ کی سمت چلا آتا تھا خودسر　　　گہ قلب میں تھا وہ ولد الکلب ستمگر
ہر چند کہ ڈھالوں میں لعیں چھپایا ہوا تھا
پر ہوش نہ تھا تن کا یہ گھبرایا ہوا تھا
کہتا بن کاہل سے مردود دغا باز　　　ہیں ساتھ کماندار مرے سب قدر انداز
معلوم بخوبی ہیں انھیں جنگ کے انداز　　　جس سے کہ بنا کام کروں گا میں سرافراز
ہر ایک سے کہتا تھا نہیں وقت ترس کا
شش ماہہ بچہ کوئی نہ دو چار برس کا
اتنے میں نظر ابن نمیر آ گیا ناگاہ　　　تب اُس سے یہ کہنے لگا وہ دشمن اللہ
جن پاس ہیں تیرے وہ یہاں ہیں ترے ہمراہ　　　مدت سے ہے تجھ کو بھی تمنائے زر و جاہ
کچھ کام جواب بن نہ پڑا ہاتھ سے تیرے
موقوف یہ ہو جائیں گے سب ہاتھ سے تیرے
ہر ایک سے بس بغض ہے تجھ کو تو فزوں تر　　　شبیرؑ کا اک بیٹا ہے ہم شکل پیمبرؐ

تجویز تجھے میں نے کیا قاتل اکبر — گر آج ترا نیزہ لگا اس نے جگر پر

نیزے سے تب جب علی اکبر کی اجل آئے

تب ابن علی خیمۂ اقدس سے نکل آئے

یہ کہہ کے چلا آیا وہ دریا کے کنارے — دیکھا کہ لعیں روکے ہیں اس گھاٹ کو سارے

بولا کوئی ایسا ہے جو عباس کو مارے — نوفل کی طرف کو کئے ان سب نے اشارے

نوفل نے کہا شیر خدا سے نہ ڈروں گا

اس شیر کے شانوں سے قلم ہاتھ کروں گا

نوفل کا سخن سن لیا شبیرؑ نے ناگاہ — تقوں سے کہ تمام کے اس شاہ نے کی آہ

عباس سے یوں بولا وہ ابن اسد اللہ — مستعد جنگ ہے یہ فرقۂ گمراہ

ان پیاسوں کو تسنیم کے رستے سے لگا دو

کم فوج کی ترتیب کرو حکم وغا دو

جو گرد مرے خیمہ کے خندق ہے جو تیار — ہیزم کہ کیا اس میں ہے انصار نے انبار

بس آگ لگا دو کر داب دیر نہ زنہار — اکبر سے کہو خیمہ کے در سے رہو ہوشیار

قاسم سے کہو پشت پہ خیمہ کی کھڑا ہو

پہلے وہ لڑے جو کبھی آگے بھی لڑا ہو

بین سہ

بین یہ کر رہی تھی بنت علی رو رو کر — نہ ہوا بیاہ زمانے میں ترا اے دلبر

بیاہ کے ذکر سے شرماتے نہیں اے اکبر — نیچی آنکھیں نہیں کر لیتے ہو اے رشک قمر

زندگانی کے سبب شرم و حیا ہے اکبر

شرم جس شے سے ہے تم میں نہیں وہ شے اکبر

کبھی یہ طور نہ تھا اے مرے فرزند فہیم — زینب آئی ہوں ترے پاس نہ کی ہو تعظیم

گرد لاشے کے بڑی پھرتی ہیں بحال سقیم — آج کیوں بھول گئے اپنا وہ معمول قدیم

اٹھو اور عمۂ ناشاد کی تعظیم کرو

جنگ کے وصف بیاں کرتی ہیں تسلیم کرو

جانے کے وقت یہی ذکر تھا ہر دم لب پر — سر پہ آئی اجل اور آئی نہ صغرا کی خبر

جبکہ تم کر گئے اس منزل فانی سے سفر — قاصد خواہر مہجور تب آیا اکبر

یہ تو معلوم ہوا ہے وہ ابھی جیتی ہے
پر خبر کرتی ہوں خواہر وہ بڑی جیتی ہے

ہندوستانی معاشرت ـــ

روہی تھی مادرِ قاسم جو با آہ و بکا | اس طرح اسباب بھی رکھا نظر اس کو پڑا
نیچا چھوٹا سا تھا جو اس بنے کے ہاتھ کا | خون سے تر تھا یہ نوشاہی کا لیتا تھا پتا
اور جو اس نوشاہ کی سسرال کا رومال تھا
خاک سے آلودہ تھا سب اور لہو سے لال تھا
اک طرف تھا تاش کا جوڑا لہو سے تر بتر | اک طرف منقش سہرا تھا ٹکڑے سر بسر
اک طرف بنڑے کا جب اسباب اُسے آیا نظر | کہتی تھی لے دو ہے نوشہ پسر میرا کدھر
باندھوں سہرا آج پھر ماتھے پہ میں اس ماہ کے
لے چلو مجرے کو روضے پر رسول اللہ کے

بے ثباتیٔ دنیا کا نقشہ ـــ

کچھ زندگی کا یارو نہیں اعتماد ہے | بھولا ہے حق کو موت نہیں جس کو یاد ہے
بے شک جہازِ عمرِ رواں رشکِ باد ہے | ہر لحظہ اس سفینے کو بادِ مراد ہے
معلوم ہے یہ بات ہر اک شیخ و شاب کو
انساں سے ہے ثبات زیادہ حباب کو
جو جو کہ استوار بناتے ہیں سب مکاں | شاید مکانِ قبر کا ان کو نہیں ہے دھیاں
نہ نام ہی رہے گا کسی کا نہ کچھ نشاں | بعد اپنے کون اپنا ہے بیجا ہے یہ گماں
دنیا میں جو کمال ہے اس کا زوال ہے
واللہ ایک دولتِ دیں لازوال ہے
دارِ فنا سے اُٹھ گئے ہیں کیسے کیسے شاہ | کیا کیا مکان خلق میں اجڑے پڑے ہیں آہ
کیا کیا جہازِ عمر جہاں میں ہوئے تباہ | سیدھے میانِ قبر گئے لاکھوں کج کلاہ
کتنے ہی نامدار فلک بے نشاں ہوئے
کتنے ہی مہر و ماہ زمیں میں نہاں ہوئے
جس کا جہاں میں شرق سے تا غرب تھا عمل | آیا کبھی نہ جن کی حکومت میں کچھ خلل

آخر ہوئے وہ قیدی سرپنجۂ اجل — تاروں سے بھی زیادہ تھے جو صاحب دول

اب ان کے استخوان بھی زیر زمیں نہیں
ان کے نشان قبر بھی ملتے کہیں نہیں

تاریخ محمود آباد[۱] میں درج ہے کہ میاں دلگیر تحت اللفظ خوانی میں اپنا کمال دکھاتے تھے لیکن مولوی محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ ان کی زبان میں لکنت تھی اس لئے مرثیہ خوانی نہ کرتے تھے[۲]۔ آزاد کے اس بیان کی مزید تائید سید افضل حسین ثابت لکھنوی سے بھی ہوتی ہے وہ کہتے ہیں:۔

"منشی دلگیر ہکلاتے تھے۔ اس لئے وہ اپنا مرثیہ منبر پر نہ پڑھتے تھے۔ ان کے مرثیے یا تو کوئی سوز خوان یا ان کا کوئی شاگرد پڑھتا تھا[۳]۔ اس زمانے میں اکثر مرثیہ گو شاعر گویا سوز خوانوں کے دست نگر تھے اور ایک بڑے سوز خوان میر علی صاحب[۴] موجود تھے جن کے در دولت پر بڑے بڑے شہزادے اور حکام سننے کو آتے تھے اور وہ کسی کے یہاں نہ جاتے تھے۔ میر علی صاحب زیادہ تر منشی دلگیر مرحوم کے سلاموں اور مرثیوں پر سوز رکھتے تھے۔"

ثابت لکھنوی نے ایک اور جگہ دلگیر کی لکنت زبان کے سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں:۔

"میرزا دبیر صاحب سے منشی دلگیر مرحوم کو بہت محبت تھی اور وہ بہت قدر و منزلت فرماتے تھے۔ ایک مجلس میں جو شاید میر علی سوز خوان ہی کے امام باڑے میں تھی میر موصوف نے

۱؎ تاریخ محمود آباد ص۱۰۸ مخطوطہ مصنفہ حسن علی (قلمی۔ کتب خانہ محمود آباد) ۲؎ آب حیات ص۴۳۹ ۳؎ دربار حسینی ص۱۰۱

۴؎ میر علی۔ بادشاہ غازی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں لکھنؤ کے باکمال مرثیہ خواں تھے۔ رجب علی بیگ سرور ان کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ انھوں نے وہ طرز نو مرثیہ خوانی کا ایجاد کیا کہ چرخ کہن نے مسلم الثبوت استاد کیا۔ علم موسیقی میں کمال بہم پہنچایا۔ اس خیال کا دھرپت پڑھ گیا اور جتایا کہ کبھی کسی نائک کے وہم و خیال میں نہ آیا تھا۔ ایک رنگین احاطہ کھینچا ہے جو اس میں آیا بچہ لا جلا وہاں کا بہرہ ہوا اور جس نے ڈھنگ جیسا وہ گیا وہ کمال باہر منگ ہوا۔ اگر تان سین جیتا ہوتا ان کے کلام پر کان پکڑتا۔ حبیب ابگم کھاتا گرتا تا۔ (فسانۂ عجائب ص۳۲) میر علی سوز خوان نے امام باڑہ بھی تعمیر کرایا تھا جس میں مرزا دبیر پڑھتے تھے (حیات دبیر ص۳۲) ان کا انتقال ۱۸۴۱ء مطابق ۱۲۵۷ ہجری ہوا۔ رنگ لکھنوی نے تاریخ کہی ہے

از ستم گردش گردوں بیسر — مرد عجب جواں حیف واے
مردن ایں ماتم جاں سوز بود — خندہ بہ راہ و زباں حیف واے
بود خروش آہ و زاری کا نپود — جملہ زگو غنچہ چیاں حیف واے
مصرع تاریخ مسیحی رسید — میر علی مرثیہ خواں حیف واے (دیوان رنگ ص۳۴)

۱۸۴۱ عیسوی

سوز میں منشی دلگیر مرحوم کا ایک مرثیہ پڑھا۔ سامعین میں مرزا دبیر صاحب[۱] بھی تھے۔ شام کو حسب معمول مرزا صاحب کے مکان پر مجمع ہوا۔ ایک صاحب سامعین میں سے بولے کہ میر صاحب نے آج جو مرثیہ پڑھا بے مثل تھا۔ مرزا صاحب نے بھی تعریف کی کہ درحقیقت ایک ایک مصرع موتیوں میں تولنے کے قابل تھا۔ وہ صاحب بولے بڑی مشکل یہ ہے کہ اب جب تک میر علی صاحب اس کو نہ تقسیم کر دیں جناب منشی دلگیر کسی کو نہ دیں گے (یہی منشی دلگیر مرحوم کا قاعدہ تھا) اور میرا دل اس مرثیہ کو چاہتا ہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا مرثیہ کے کل پندرہ سولہ بند تھے اگر کسی کی قوت حافظہ اچھی ہو تو وہ ایک دو حد تین مرتبہ غور سے سن کر یاد کر سکتا ہے۔ میر علی صاحب ابھی تو کئی مرتبہ پڑھیں گے۔ انھوں نے کہا حضنت (حضرت) یہ ممکن نہیں۔

۱؎ دبیر تخلص، میرزا سلامت علی نام ولد میرزا غلام حسین (سراپا سخن ص۹۰، سخن شعرا ص۱۵۱) دلی میں محلہ بلی ماران متصل لال ڈگی میں ۱۱ جمادی الاول ۱۲۱۸ھ ہجری کو پیدا ہوئے مادۂ تاریخ "مخلت دبیر" ہے۔ ۱۲ برس کی عمر میں ۱۲۳۰ھ ہجری میں مرثیہ کہنا شروع کیا تھا (حیات دبیر ص۲۰۰) خاندانی شاعر نہ تھے۔ میر ضمیر لکھنوی کے شاگرد ہوئے (آبحیات ص۵۳۶) مولف تذکرہ صبح گلشن کا یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ دبیر ہندو نژاد تھے۔ برضائے دلی مذہب اسلام قبول کیا اور شیعہ مسلک اختیار کیا۔ (صبح گلشن ص۱۶۲ سید علی حسن خاں مرتبہ عطا کاکوی) اصناف شعر میں ان کی طبیعت زبان اردو میں مرثیہ گوئی کی طرف از حد مائل تھی مرثیہ گوئی میں اپنی شاعری کا کمال دکھلایا سوائے میر انیس کے اس فن میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ کبھی کبھی فارسی میں آئمہ کی مدح میں اشعار کہہ لیتے تھے (صبح گلشن ص۱۶۲) میرزا دبیر شوکت الفاظ، مضامین کی آمد اس میں جا بجا غم انگیز اشارے، صد خیز کنائے، المناک اور دل گداز انداز جو مرثیہ کی غرض اصلی ہے ان وصفوں میں بادشاہ تھے (دکنیات ص۲۳۹) نجات عظیم آبادی کو ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۵۹ھ ہجری کو امام باڑہ میر باقر لکھنؤ میں مجلس سننے کا اتفاق ہوا وہ کہتے ہیں کہ مرزا دبیر منبر پر بیٹھے اور ایک طویل مرثیہ کمال بلاغت و متانت کے ساتھ شہدائے کربلا کے حال میں جو واقعہ ذی الحجہ ۱۲۵۸ھ ہجری میں رونما ہوا تھا اس سے متاثر ہو کر انکے مرثیے سامعین پر بڑی رقت طاری ہوئی (الحق وہ طلاقت بیان، بزرگوئی اور خوش خوانی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے (سوانح لکھنؤ ص۱۲۳) میرزا دبیر کا حلیہ یہ تھا "جثہ منحنی وقامت میانہ و سبزہ رنگ مائل بسیاہی اور سرخ رنگ کا رومال شانوں پر رکھتے تھے (سوانح لکھنؤ ص۔۔) میرزا دبیر کا انتقال ۳۰ محرم ۱۲۹۲ھ ہجری مطابق ۱۸۷۵ء میں ہوا (دیوان شرف ص۲۴۶ مطبوعہ ۱۸۹۶ء مطبع جعفری واقع نخاس) اختر شکوہ آبادی نے سنہ عیسوی میں تاریخ کہی ہے

اے پاک دل اے دبیر معجز تحریر — اے گلشن انعام کے گلچیں اے ہے
تعریف تری بیاں کو ڈھونڈتی ہے — اے مرجع ہر سپاس و تحسین اے ہے
گلگشت جناں میں جب سے تو ہے مصروف — بزم مردہ ہے باغ فکر رنگیں اے ہے
رلواتی ہے تری غیبت جاں دیدہ ال — اے عاشق پاک مہدی دیں اے ہے
کہتا ہے سنین عیسوی رو کے منیر — خلاق معانی و مضامین اے ہے (نظم منیر ص۲۴۶)

مرزا صاحب نے فرمایا اچھا ذرا آپ لکھئے تو سہی۔ اب وہ جو لکھنے بیٹھے تو مرزا صاحب نے ایک ایک بند کر کے وہ سب بند لکھوا دیے۔ انھوں نے مرثیہ لے کر بجائے شکریہ ادا کرنے کے مرزا صاحب سے کہا حضرت (حضرت) لوگ کہا کرتے ہیں کہ منشی دلگیر اور آپ مل کر مرثیہ کہا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ استغفر اللہ۔ جھوٹے ہیں جو ایسا کہتے ہیں۔ بھلا جناب دلگیر ایسے مشاق کو مجھ سے مدد لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ذرا مرثیہ مجھے دے دیجئے۔ انھوں نے مرثیہ دے دیا۔ مرزا صاحب نے وضو کے لوٹے میں جو پاس رکھا ہوا تھا اس مرثیہ کو ڈبو دیا انھوں نے کہا ہائیں قبلہ یہ آپ نے کیا کیا۔ فرمایا۔ آپ مجھے بدنام کرتے اور جا بجا کہتے پھرتے کہ دبیر نے منشی دلگیر صاحب کا مرثیہ مجھے زبانی لکھوا دیا۔ وہ جناب دلگیر کو مدد دیتا ہے جناب دلگیر کو خبر ہوتی ان کو صدمہ ہوتا مجھے یہ منظور نہیں کہ میں ان کا دل دکھاؤں اور ایک کامل فن کی تنقیص کی شہرت کا باعث بنوں[۱]۔

دلگیر کے مجموعۂ مراثی سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں محمد علی شاہ بادشاہ اور راجہ میوہ رام کے علاوہ نواب معتمد الدولہ[۲] اور ممتاز بہو کی رفاقت حاصل تھی۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کون اور کن کی بیگم تھیں۔ دلگیر

۱؎ حیات دبیر ص ۶۲ ۲؎ نواب معتمد الدولہ۔ سید محمد نام عرف آغا میر خطاب معتمد الدولہ مختار الملک ضیغم جنگ، اصلی کشمیری۔ بادشاہ غازی الدین حیدر کے زمانے میں سلطنت اودھ کے سپید و سیاہ کے مالک تھے۔ لکھنؤ میں آغا میر کی ڈیوڑھی ابتک یادگار ہے۔ نواب مذہبی معاملات میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ حضرت گنج کے قریب زہرا بیں ان کی کربلا موسوم بہ کربلائے معتمد الدولہ جس میں آج کل ناچ گانا اور شراب کا دور سر سے پیر کو چلتا ہے اب تک موجود ہے۔ اس کے علاوہ چھوٹی ریلوے لائن سٹی اسٹیشن کے پاس ہی ان کا شاندار امام باڑہ بھی ہے جس میں اب لکھنؤ جوبلی کالج واقع ہے۔ امام باڑہ سے متعلق ۳۰۳۲۸ مربع گز زمین بھی ہے (دی اودھ پریوی کونسل ڈسیژن ص ۳۲۷ مطبوعہ ۱۹۱۷ء) نواب نہایت عالی ہمت اور صاحب جلالت تھے عقل و کیاست، فہم و فراست، جود و سخا اور فیض رسانی میں بے نظیر تھے۔ لاکھوں بزرگان خدا کو ایک ہی لفظ عنایت سے بحال کرتے تھے (رسالہ سوانح عمری ص ۵) آغا میر نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں انہی کے حکم سے لکھنؤ سے کانپور تک بدر کیے گئے اور آخر میں وہیں ۵ ذی الحجہ ۱۲۴۷ ہجری مطابق ۔ مئی ۱۸۳۲ء کو انتقال کیا اور اپنے امام باڑہ واقعہ کانپور میں سپرد خاک کیے گئے۔ رشک نے تاریخ کہی ہے

بنیٔ معتمد الدولہ مختار الملک — آصف عہد سلیماں حشم سکندر جاہ
خانۂ ماتم شبیر مقرر گردید — مسکن و مدفن مغفور حقیقت آگاہ
رشک تاریخ عزاخانہ و مدفن بنوشت
ہم عزاخانہ و ہم مقبرہ اے وا ویلا
۱۲۴۷ ہجری (دیوان رشک ص ۳۶۹)

ان کے بارے میں کہتے ہیں ؎

درگاہ الٰہی میں یہ رو رو کے دعا کر
ممتاز ہو کا حشم و جاہ سوا کر

محمد علی شاہ کے بارے میں ایک مرثیہ کے دعائیہ میں کہتے ہیں ؎

درگاہِ خدا سے یہ دعا مانگ لے دلگیر
یہ شاہ ہمیشہ رہے با حشمت و توقیر

تدبیر ابو الفتح کی تابع رہے تقدیر
تا حشر رہے اس پہ سدا سایۂ شبیرؑ

یارب یہ مرا شاہ شہنشاہِ زماں ہو
ہر وقت مددگار امامِ دو جہاں ہو

نواب افتخار الدولہ راجہ میوہ رام اور ان کی بیگم کے حق میں یوں دعا کرتے ہیں ؎

دلگیر بس خدا سے ہے آگے یہی دُعا
ہے افتخار الدولہ جو عاشق حسینؑ کا

جاہ و حشم سے رکھ اُسے دنیا میں اے خدا
بیگم کے سر پہ سایۂ زہراؑ رہے سدا

اک آن شغل تعزیہ داری کا کم نہ ہو
غیر از غم حسینؑ انھیں اور غم نہ ہو

نواب معتمد الدولہ کے حق میں کہتے ہیں ؎

اب آگے مرنے کا اکبر کے کیا کہوں میں حال
خدائے پاک سے دلگیر ہے یہ میرا سوال

رہے ہمیشہ جہاں میں بہ حشمت و اقبال
جناب معتمد الدولہ بہر جلال

مدام اختر اقبال اس کا تاباں ہو
عدو جو اس کا ہو وہ خوار اور پشیماں ہو

میاں دلگیر کا انتقال ۹۶ برس کی عمر میں لکھنؤ میں ۱۲۶۲ھ ہجری میں ہوا۔ قبر کا نام نشان کہیں نہیں ملتا ہے۔ رشک[۱] اور اسیر[۲] لکھنوی نے تاریخ وفات کہی ؎

۱؎ رشک ۔ میر علی اوسط نام رشک تخلص خلف الصدق سید سلمان وطن فیض آباد۔ شاگرد ناسخ ۔ تین دیوان ، ایک مثنوی موسوم بہ حدیث عجیب (مطبوعہ ۱۲۶۳ھ) اور نفس اللغۃ (تاریخی نام ۱۲۵۶ھ اردو کا ایک نایاب لغت) ان کی تصنیفات ہیں ۔ رشک کا انتقال ۱۲۸۳ھ (مطابق ۱۸۶۶ء نظم نیر ص ۱۳) میں ہوا ۔ اسیر نے تاریخ کہی ہے ؎

کرد افسوس صد افسوس قضا
از قضا میر علی اوسط رشک

گفت تاریخ سر اسیمہ دلم
شد کجا میر علی اوسط رشک

۱۲۸۳ھ (دیوان اسیر ص ۳۰۳ مطبوعہ ۱۸۷۰ء)

۲؎ ۔ اسیر ۔ سید مظفر علی نام اسیر تخلص تدبیر الدولہ خطاب ۔ ان کی ۳۰ نادر تصنیفات مجھے راجہ محمود آباد کے کتب خانے میں دستیاب ہوئی ہیں ۔ ان میں سے کچھ مصنف کے قلم کی ہیں ۔ اسیر کی جملہ تصنیفات نایاب اور نادر ہیں ۔ اسیر کا انتقال ۱۲۹۹ھ میں رامپور میں ہوا

(باقی صفحہ آئندہ پر)

در گلشن خلد با جمیع شہدا — گشتہ بابوس مرثیہ گو دلگیر
تاریخ وفات او نوشتم اے رشک — آہ افسوس مرثیہ گو دلگیر

(۱۲۶۴ ہجری (دیوان رشک)

آہ آہ از جہان فانی شد — مرثیہ گوئے شاہ عرش نظیر
گفت ہاتف اسیر تاریخش — وائے دلگیر عاشق شبیرؑ

(۱۲۶۴ ہجری (دیوان اسیر جلد اول مخطوطہ)

دلگیرؔ بحیثیت مثنوی نگار

آج تک میاں دلگیرؔ اُردو دنیا میں صرف مرثیہ گو شاعر کی حیثیت سے مشہور و معروف تھے۔ تذکروں میں ان کا نام بہت کم ملتا ہے اور جن معدودے چند کتابوں میں اُردو مرثیہ کے ارتقا کے سلسلے میں ان کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ ریاض الفصحا اور خمخانۂ جاوید جلد پنجم میں ان کی غزلوں کے چند شعر ملتے ہیں۔ مجموعہ مراثی اب عنقا ہوتا جا رہا ہے (معلوم اس کساد بازاری اور اُردو دشمنی کے زمانے میں آگے جلد مراثی جن کے اشعار کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے دوبارہ زیور طبع سے کبھی آراستہ بھی ہوں گے کہ نہیں۔

دلگیرؔ کو مرے ہوئے آج سوا سو سال پورے گزر گئے ہیں۔ لیکن آج تک وہ بحیثیت مثنوی نگار محققین اور ناقدین کی نظر سے پوشیدہ رہے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی مثنویاں لوگوں کی نظروں سے نہ گزریں اور نہ کسی تذکرہ نگار نے ان کی مثنویوں کا ذکر کیا ہے۔ جناب ڈاکٹر عقیل صاحب اور ڈاکٹر گیان چند جین جنھوں نے اُردو مثنویوں پر ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں دلگیرؔ کی مثنویوں کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ جناب ابواللیث صدیقی اور سید مسیح الزماں صاحب نے اپنے مقالوں میں دلگیرؔ کی مرثیہ گوئی کا ذکر نہایت ہی اختصار کے ساتھ کیا ہے انھیں بھی ان کی کوئی مثنوی دستیاب نہیں ہوئی ہے۔ راقم الحروف کو حال ہی میں جناب راجہ صاحب محمود آباد کے نایاب اور نادر کتب خانہ دیکھنے کا اتفاق ہوا اور میں نے اس کتب خانے میں چار مہینے مسلسل شب و روز کام کیا۔ کتب خانے میں دیگر نوادرات کے علاوہ ایک نایاب مخطوطہ بھی دستیاب ہوا جس کے سرورق پر "دیوان دلگیرؔ" لکھا ہوا ہے۔ اس میں دلگیرؔ کی کوئی غزل یا مرثیہ نہیں ہے بلکہ چند مثنویاں، مسدس، ترجیع بند اور فارسی اور تاریخی مقطعات شامل ہیں۔ مثنویاں اس لئے اہم اور غیر معمولی ہیں کہ ان سے لکھنؤ کی معاشرت پر اچھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ (دیکھو خمخانۂ جاوید جلد دوم ص ۱۴۰ صفیر بلگرامی) امیر مینائی نے دس شعر میں قطعۂ تاریخ وفات کہا۔ آخری شعر یہ ہے ؎

دیدم بہ فغان و نالہ می گفت اسیر — سلطان سخن امام فن قبلۂ من

۱۲۹۹ھ

(سوانح امیر مینائی ص ۳۴ ممتاز علی آہ)

خاصی روشنی پڑتی ہے۔ یہ بات میر حسن (متوفی سنہ ۱۲۰۱ھ) نسیم (متوفی سنہ ۱۲۶۱ھ) اور نواب مرزا شوق (متوفی سنہ ۱۲۸۸ھ) کی مثنویوں میں نہیں ہے۔ مثنویات دلگیر سے ایک طرف لکھنؤ کی عیش پرستی کی جیتی جاگتی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے اور دوسری طرف بادشاہ، امرا کے کردار اور حسین آباد کے گرد و نواح کے ماحول کی بے کم و کاست ترجمانی بھی ہوتی ہے۔ میری رائے میں یہ دیوان دلگیر کا واحد مخطوطہ ہے۔ کیونکہ اس کا ذکر اودھ کیٹلاگ، مخطوطات انڈیا آفس لائبریری یا برٹش میوزیم لندن، کتب خانہ بانکی پور پٹنہ، کتب خانہ سالار جنگ اور آصفیہ حیدر آباد میں کہیں نہیں ملتا ہے۔

دلگیر کی مثنویوں کا تاریخی پس منظر

دیوان دلگیر میں (۱) مثنوی در تعریف امام باڑہ و برج طلا (۲) مثنوی در وصف بازار حسین آباد۔ (۳) مثنوی در توصیف تالاب شمن شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ہم نے ایک اور مثنوی در توصیف امین آباد جس کا واحد مخطوطہ کتب خانہ رامپور کی زینت ہے۔ دیوان میں اس لیے شامل کر لی ہے تاکہ یہ بھی اور مثنویوں کے ساتھ ایک جگہ محفوظ رہ سکے۔

دلگیر کی پہلی تین مثنویاں دو مختلف بحروں میں نظم کی گئی ہیں۔ اگر ان کو ایک ہی نام کے تحت یعنی مثنوی در وصف حسین آباد لکھا جائے تو مناسب ہوگا۔ چونکہ مصنف نے ان کو الگ الگ نام کے تحت نظم کیا ہے لہذا ہم نے بھی انھیں بغیر کسی تبدیلی کے جوں کا توں رکھا۔ دراصل دلگیر کی ان مثنویوں کی تصنیف کرنے کا واحد محرک امام باڑہ حسین آباد ہے جو بادشاہ محمد علی نے تعمیر کیا تھا۔ ذیل میں اس یادگار زمانہ عمارت کا مختصر تاریخی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

میر محمد امین سنہ ۱۱۳۰ ہجری میں بہادر شاہ عالم کے زمانے میں ایران سے ہندوستان آئے[1]۔ یہاں کچھ عرصے کے بعد محمد شاہ بادشاہ (متوفی سنہ ۱۱۶۱ ہجری) کے دربار میں باریاب ہوئے۔ بعد ازاں سنہ ۱۱۳۲ ہجری اودھ کے صوبہ دار مقرر ہوئے[2]۔ بادشاہ نے ان کی کارکردگی، بہادری، ہمت اور شجاعت سے خوش ہو کر انھیں سعادت خاں برہان الملک بہادر، بہادر جنگ کے خطاب سے ممتاز کیا[3]۔ ان کا انتقال دلی میں نادر شاہ کی قتل و غارت گری کے موقعہ پر ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۱۱۵۱ ہجری کی رات کو ہوا[4]۔

نواب برہان الملک کے بعد ان کے داماد اور بھانجے میرزا محمد مقیم مخاطب بہ ابوالمنصور خاں صفدر جنگ اودھ کے نائب مقرر ہوئے اور انھوں نے اودھ میں فیض آباد شہر کی بنیاد ڈالی[5]۔ نواب موصوف کا

---

[1] قیصر التواریخ صفحہ ۸ جلد اول۔ [2] تاریخ اودھ صفحہ ۳۲ جلد اول نجم الغنی۔ [3] مآثر الامرا صفحہ ۴۹۳ جلد اول نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خاں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۸۸ء۔ [4] خزانۂ عامرہ صفحہ ۴۷ میر غلام علی آزاد بلگرامی۔ [5] فیض آباد گزیٹیر صفحہ ۲۱۳ جلد ۴۳

انتقال ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۱۱۶۷ ہجری کو ہوا[1]۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے مرزا جلال الدین حیدر مخاطب بہ نواب شجاع الدولہ تخت وزارت پر جلوہ گر ہوئے۔ ان کا انتقال ۲۳ ذی قعدہ سنہ ۱۱۸۸ھ کو ہوا[2]۔ آخری ذی قعدہ کو ان کے صاحبزادے میرزا یحییٰ خاں آصف الدولہ وزیر ہوئے اور انھوں نے فیض آباد کے بجائے لکھنؤ کو اپنا دار الخلافہ بنا دیا[3]۔ لکھنؤ میں انھوں نے شاندار عمارات کی بنیاد ڈالی جن میں سے امام باڑہ آصفی مسجد اور رومی دروازہ آج بھی یادگار ہیں۔ امام باڑہ سنہ ۱۲۰۰ ہجری میں کئی لاکھ روپے صرف کر کے تعمیر کیا گیا۔ آخر کار جب نواب کا انتقال سنہ ۱۲۱۲ ہجری میں ہوا تو یہیں دفن کیے گئے۔

نواب آصف الدولہ کے بعد اودھ کے تخت پر جتنے بھی نواب اور بادشاہ بیٹھے تو انھوں نے امام باڑے تعمیر کیے۔ نواب سعادت علی خاں جب آصف الدولہ کے انتقال کے بعد تخت وزارت پر بیٹھے تو انھوں نے سنہ ۱۲۱۶ھ میں درگاہ حضرت عباس کی بنا ڈالی[4]۔ نواب کا انتقال سنہ ۱۲۲۹ ہجری میں ہوا۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے غازی الدین حیدر نے تخت وزارت پر جلوس کیا۔ غازی الدین حیدر پہلے نواب ہیں جو سنہ ۱۲۳۴ھ میں اودھ کے پہلے بادشاہ ہوئے[5]۔ انھوں نے شہرۂ آفاق امام باڑہ شاہ نجف کے نام سے سنہ ۱۲۳۲ھ میں تعمیر کیا[6]۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے نصیر الدین حیدر بادشاہ (متوفی سنہ ۱۲۵۳ھ) سنہ ۱۲۴۳ھ میں تخت سلطنت کے مالک ہوئے۔ انھوں نے گومتی پار ایک کربلا تعمیر کی جو اب تک موجود ہے۔

نصیر الدین کے انتقال کے بعد ۴ ربیع الثانی سنہ ۱۲۵۳ ہجری کو ان کے چچا محمد علی شاہ بادشاہ نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ وہ سنہ ۱۱۹۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۴ ربیع الثانی سنہ ۱۲۵۸ ہجری مطابق ۱۶ مئی سنہ ۱۸۴۲ء کو انتقال کیا[7]۔ رشک لکھنوی نے تاریخ کہی ہے

مرد آں شاہ محمد علی کو نام داشت — سلطنت از منتقل شد ہائے بعد پنج سال
رشک تاریخ وفات وعدہ اجابش نوشت — بود بیرو رفت حیف اے وائے بعد پنج سال[8]

۱۲۵۸ ہجری

محمد علی شاہ بڑے دیندار، صاحب نظر اور خدا ترس بادشاہ تھے۔ انھوں نے تخت نشینی کے فوراً بعد ہی لکھنؤ میں ایک بے نظیر امام باڑہ حسین آباد میں سنہ ۱۲۵۳ ہجری میں تعمیر کیا۔ اس پر ۲۰ لاکھ روپے خرچ ہوئے اور اسے سونے چاندی اور شیشہ کے بہترین ساز و سامان سے آراستہ کیا[9]۔ امام باڑہ اب تک عہد محمد علی شاہ کے فن تعمیرات کا ایک نادر اور انمول نمونہ ہے۔ آصفی امام باڑہ بڑا امام باڑہ اور حسین آباد کا امام باڑہ

---

۱ مفتاح التواریخ ص ۳۲۵ تھامس ولیم بیل۔ ۲ خزانہ عامرہ ص ۹۹ ۳ تفضیح الغافلین ص ۱۷ مرزا ابو طالب لندنی مرتبہ عابد رضا بیدار۔ ۴ قیصر التواریخ ص ۱۲۲ جلد اول۔ ۵ تواریخ نادر العصر ص ۱۳۲ ۶ وزیر نامہ ص ۴۰ ۷ دیوان رشک ص ۲۱۳ ۸ قیصر التواریخ ص ۳۵۲ جلد اول

چھوٹا امام باڑہ کے نام سے مشہور ہے۔ بادشاہ نے اس کے مصارف کے لئے سرکار کمپنی کے خزانے میں ۳۰ لاکھ روپیہ جمع کیا تھا جس کے سود سے اب تک امام باڑے میں ایام محرم میں مجالس اور روشنی وغیرہ کا اہتمام ہوتا ہے۔

امام باڑے پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

شہ زمانہ محمد علی بنا فرمود	امام باڑہ پے ذکر و مجلس حسنینؑ
ز روئے آہ دلم خواند نوحۂ ماتم	بنائے تعزیہ و ماتم امام حسینؑ

۱۲۵۳ ہجری

مرزا رجب علی بیگ سرور امام باڑہ کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:۔

"ادھر حسین آباد کے امام باڑے کی بنا ہے۔ سر کہ سے مثال ہلال عید نمایاں ہے۔ جل جلالہ کیا شوکت وصولت ہے۔ برج طلائی خورشید نمط درخشاں ہے۔ رفعت دالان شکوہ گنبد مطلا پر مرغ ذریں جناح کنگرہ چرخ پر شاہباز نشار ہوتا ہے۔ صدقے گردون دوار ہوتا ہے۔ شوکت و بلندی سپہر بریں ساکنان زمیں کی نظروں سے گر گئی نیر تاباں کے منھ پر خجالت سے زردی پھر گئی۔ دم نظارہ یا طواف امام باڑہ دیدہ و دل کو زین حصول کرتا ہے اور اجابت بردنے حاجت منداں دا ہے۔ ماتم خانۂ شہدا ہے۔ جس دم ضریح پاک نظر آئی خون دل دیدۂ بیجوں ہوا۔ چھاتی بھر آئی۔ شیشہ و آلات اس قدر ہے کہ حلب والے حسرت سے منھ تکتے ہیں حیران ہیں۔ جھاڑوں کی یہ کثرت ہے کہ ساکنان فرنگ ہاتھ جھاڑ نیچے سر در گریباں ہیں۔ قندیل بے عدیل سونے چاندی کی جواہر نگار ہزار در ہزار علمہائے نادر جن کے دیکھنے سے الم آل عبا ہو خلاصہ یہ کہ امام باڑہ ہو تو ایسا ہو......" ؎

۱؎ لکھنؤ گزیٹر ص۱۳۵ جلد ۳۰، ایچ۔ آر۔ نیول،

۲؎ فسانۂ عبرت ص۲۴

۳؎ ناسخ نے بھی امام باڑہ کی تاریخ کہی ہے ؎

جناب محمد علی بادشاہ	پسندیدۂ بارگاہ الہ
بصدق و صفا تعزیہ خانہ ساخت	بلند از سما تعزیہ خانہ ساخت

خرد سال جائے عزائے حسین

بگفتا مرزا شہ مشرقین

۱۲۵۳ ہجری (دیوان ناسخ مخطوطہ)

مثنوی در تعریف امام باڑہ و برج طلا

دیگر مثنوی کے سبب تالیف میں لکھتے ہیں کہ جب حسین آباد کا امام باڑہ اعظم اللہ خاں[1] کے اہتمام

---

[1] عظیم اللہ خاں نام، اعظم الدولہ خطاب۔ معمولی آدمی یعنی حجام تھے۔ ترقی کرتے کرتے بادشاہ محمد علی کے رفیق خاص اور تعمیرات کے مہتمم ہوئے۔ انھوں نے لکھنؤ میں ایک کوٹھی بنائی تھی جو بعد میں واجد علی شاہ نے ۲ لاکھ روپے میں خریدی۔ اسی لیے تاریخ میں اسے جوگیا کوٹھی کہتے ہیں (لکھنؤ گزیٹیر ص ۲۰۰)۔ اعظم الدولہ کو بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخل تھا اور بادشاہ کو ان پر اتنا اعتبار تھا کہ گویا سلطنت ان کے اشاروں پر چلتی تھی۔ رجب علی بیگ سرور ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ

"پروردگار نے عجب خلقت بنائی تھی۔ صورت ایسی دیکھنے میں سنائی تھی لیکن ساز و سامان دنیا کا مہیا تھا۔ فلک نے ایسی گردش دکھائی تھی۔ دنیا کا چین خوب کیا۔ تماشا وکی طبیعت بنائی تھی۔ اللہ کی قدرت ہے محمد علی شاہ؟ باایں فہم و فراست ایسے خود غلط ہو گئے جس کا ایک خط بنانے میں ہاتھ تھرائے وہ صاحب دستخط ہو جائے۔ اس کے کارخانے میں عقل بیکار ہے (فسانۂ عبرت ص ۴۳)

لکھنؤ میں اعظم الدولہ کی کئی یادگاریں اب تک موجود ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:۔

مسجد اعظم الدولہ ۔ برق نے اس مسجد کی تاریخ بنا لکھی ہے ؎

اعظم الدولہ فدوی سلطان　　شد چو بانی مبانی مسجد
از برائے جبیں نماز گزار　　گشت زیبا نشانی مسجد
شد برا و ختم ازرہ تعظیم　　عزت و رتبہ دانی مسجد
بخدائے جمیل در عالم　　جز حرم نیست ثانی مسجد
برق تاریخ بے بدل بنوشت　　اعظم الدولہ بانی مسجد

۱۲۵۷ ہجری　　(دیوان برق ص ۱۶۵ مطبوعہ ۱۸۵۲ء)

کربلائے اعظم الدولہ ۔ لکھنؤ میں تال کٹورہ کی کربلا سے آگے اعظم الدولہ نے ۱۲۶۰ ہجری میں ایک شاندار کربلا تعمیر کی جس میں امام رضا علیہ السلام کے روضۂ منورہ کی نقل بنائی۔ رشک نے تاریخ لکھی ؎

بصدق دل چو بنا کرد اعظم الدولہ　　شبیہ روضۂ پرنور شہنشہیں مولا
نوشت مصرع تاریخ ایں عمارت رشک　　مکان طیب پاکیزۂ امام رضا

۱۲۶۰ ہجری　　(دیوان رشک ص ۲۱۴)

اعظم الدولہ کا انتقال ۲۲ جمادی الاول ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۴۹ء روز شنبہ کو ہوا (فسانۂ عبرت ص ۴۲)
امیر نے تاریخ لکھی ؎

وہیں جانا ہے سب اہل جہاں کو　　جہاں کو اعظم الدولہ گئے وائے
کہی یوں ہاتف غیبی نے تاریخ　　جہاں کو اعظم الدولہ گئے وائے

۱۲۶۵ ہجری

(دیوان امیر مخطوطہ لکھنؤ یونیورسٹی)

سے تعمیر ہوا تو لوگوں نے اپنی اپنی بضاعت کے مطابق بیش بہا تحائف نذرانہ کے طور پر بادشاہ کی خدمت میں گزرانے ۔ ایک ضعیفہ مورِ ناتواں کی طرح تھوڑا سا سوت سلیمان حشم بادشاہ جم جاہ کی خدمت میں لے گئی ۔ غرضیکہ جو جس کی قدرت میں تھا اس نے وہ پیش کیا شعرا اور ادیبوں نے بھی حسین آباد کے بازار، نہر، چوکی اور دیگر عمارات کی تعریف میں قصیدے کہے ۔ عرب نے عربی میں، اہل ایران نے فارسی میں، ہندوؤں نے بھاکھا میں، ترک نے ترکی میں حسین آباد کی تعریف میں اپنے جوہر دکھائے ۔ اردو شعرا نے اس کی تعریف میں مثنوی، غزل، قصیدہ، مخمس، مسدس، قطعہ، رباعی اور ترجیع بند نظم کیے ۔ کبیر شر دوہرے کبت کہہ کے لائے ۔ کسی نے امام باڑہ کی تعریف نثر میں کی اور اسے "روشن کلام" کے نام سے تعبیر کیا ۔ میاں دلگیر نے بھی حسین آباد کی تعریف میں مثنوی لکھنے کا ارادہ محض اس لیے کیا کہ بقول ان کے وہ مداح سید الشہدا تھے اور اس طرح امام باڑہ کی تعریف کر کے انھیں محمد علی شاہ کے حق میں بھی دعا کرنے کا موقع ملے ۔ پس ان وجوہات کی بنا پر انھوں نے صرف امام باڑہ کے برج طلا کی تعریف میں مثنوی کہی اور پھر اسے مثنوی برج شرف کے نام سے موسوم کیا ۔ کہتے ہیں ؎

مہتمم اس امام باڑے کا — جان اور مال سے ہے شہ پہ فدا
ہے میرا بادشاہ بحرِ کرم — موجزن جوئے فیض ہے ہر دم
آگئے گر پسند یہ اشعار — پھر ہے واللہ میرا بیڑا پار
ہوگا مشہور پھر تو چار طرف — نام اس مثنوی کا برج شرف
ختم کر اب یہ نظم اے دلگیر — بندہ پرور ہیں شاہ عرش سریر
کیا تو نے ہے وصف برج طلا — زرِ سرخ اس کا پائے گا تو صلا
کر چکا میں جو وصف برج رقم — فکر تاریخ مجھ کو تھی ہر دم

بولا دل دیکھ کر یہ زینت و زیں
اے زہے گنبد ضریح حسینؑ

۱۲۵۵ ہجری

ایک اور جگہ مثنوی برج شرف کا قطعۂ تاریخ یہ ہے ؎

جب یہ تاریخ فارسی میں کہی — دل میں میرے خیال آیا یہی
اس کی ہندی میں ایک ہو تاریخ — مثنوی برج کی ہو جو تاریخ

لہ عربی میں کیا عرب نے رقم — لکھ چکے فارسی میں اہل عجم
ٹہ نثر میں کر کے مدح قصر امام — دکھا روشن کلام ایک نے نام

ہو گیا دام فکر میں میں اسیر　　آئی آواز غیب اے دلگیر

لکھ دے اس برج کے تو چار طرف

واہ کیا برج زر ہے برج شرف

۱۲۵۵ ہجری

مثنوی در وصف بازار حسین آباد

یہ بڑی دلچسپ مثنوی ہے۔ اس میں حسین آباد کے بازار کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا گیا ہے۔ شاہی زمانے میں اس میں بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ اب اس بازار کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ چند ٹوٹی پھوٹی دکانیں ہیں۔ ان سے یاس و افلاس ٹپکتا ہے۔ دلگیر کے ہم عصر رجب علی بیگ سرور بازار کی کیفیت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"مینا بازار کا جلسہ روز صبح ہو جاتا ہے۔ ایک جہان لینے دینے کو آتا ہے۔ کسی جا سن رسیدہ عورتیں برقعہ پوش کرتی، ازار بند، گردیاں، پچکیں لئے موجود کسی کے روبرو آتیں کوڑی، ہتھیلی پستی سے کبود، ایک طرف میوہ فروشوں کی صدا، کہیں سقوں کے کٹورے کا کھنکنا، گرمی کی فصل میں فالودے والے غل مچاتے ہیں، بے نکرے برف کی قلفیاں کھاتے کھلاتے ہیں کسی جگہ کورے گھڑوں میں فرید کی گھانس، گرداس کے مفلسوں کی ٹھنڈی سانس ...... کہیں لونگ چڑے والے دال موٹھ کے خوانچوں پر جوبن زالے۔ ایک طرف بھٹی کے پھڑ پھڑاتے کباب ان کی ماہیت سمک کے جھنڈ بے حساب پرندوں کا رنگ اور گلچی کے کباب میں مرچ کا تراقا ترشی کا ڈھنگ۔ طرح طرح کی آبدار مٹھائی، برابر برابر خوانچوں میں رکھی۔ گنڈے چنے پر مزہ بنے۔ ریوڑی کو منہ لگایا اور پھیر میں آیا۔ دہن معطر ہوا۔ حلوا سوہن کا مزا پایا۔ بزازوں کی دکانیں جدا، بنارس ڈھاکہ چین، گجرات کا ریزہ کم مایہ اپنا بقچہ گٹھری لے کے گزی گاڑھا، موسی دھوتر کا بیوپار کرتے ہیں، دلال اگوائی، چھپے کنوارے کی تکرار کرتے ہیں ...... زرق برق جوہری نیچے گھیردار جامے پہنے، پگڑی سر پر، کمر پیولی بندھی۔ مونگا، موتی، الماس، زمرد یاقوت پکھراج نیلم لیے آپس میں عجب طرح کی گھتوت ہے بیٹھتے ہیں تماشائیوں کے دل بہلتے ہیں ...... کوئی گڑگڑے والے کو بلا کے سلفے کے دم لگاتا ہے کوئی گانجا چرس کے دھوئیں اڑاتا ہے غرضکہ جہاں کا ساز و سامان بدولت سلطان عادل مہیا ہے مصر کا بازار سرد ہو گیا ہے جوان جوان بھٹیاریاں عمدہ و صاف پوشاک پہنے گرما گرم باتیں دے بنے

مسافروں کو یہ کہہ کے بلاتی ہیں بڑا مزہ ہے کہ مکان نفیس صاف گرم کھانا سرد پانی کورے گھڑوں میں بھرا ہے نہ شیر شاہ رہے نہ سلیم شاہ دنیا سرائے فنا ہے رات بھر کا بسیرا ہے۔[1]

نجات حسین عظیم آبادی نے بھی حسین آباد کے بازار کا حال ۱۲۵۹ھ ہجری میں لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں:۔

"دکانہائے بزازاں از انواع پارچہ ہائے سفید مانند ململ و جامدانی ڈوریہ و چہارخانہ دکامدانی وغیرہ از مال ڈھاکہ و اقسام جالی لیٹ و بک دکامدار دنین سکھ و ڈھاکہ پاٹن ...... و پارچہ ہا رنگین از سوتی و ریشمی و زرکار مانند چھینٹ ہائے گوناگوں بیلدار بانواع گلکار از ساختہ خاص لکھنؤ و اقسام مشروع و گلبدن و ساٹن و اقسام و تھانہائے تمامی وزری از اقسام نو دکھن مملو بود و بزازان بالبسۂ موقر یعنی دستار محمد شاہی بر سر و نیمہ و جامہ دربر و زیر جامہ از بک دریا در دکانہا نشستہ و ہم چنیں دکانہائے صرافان از انبار فلوس و مبالغ بسیار و از سکہ ہائے دینار و ظروف نقرہ و طلا بیشتر از حد شمار و انواع زیورات زنان از نقرہ و طلا و جڑاؤ و مرصع کار معمور بود و دکان زردوزان نیز از تاج و پاپوش ہائے زردوزی و اقسام گوٹہ و ٹھپہ و بنت وغیرہ تمام مملو بمعائنہ آورد و دیگر دکانہائے خاص پز نیز و نان پز و کبابی و حلوائی و تبولی و نیچہ فروشان و دیگر دکان ہائے ککڑ و الا و بنگی بایں طور بہ مشاہدہ آمد کہ بر دکان ہر یکی تختہ اسی نہادہ و بالائے تخت پارچہ بہار دہ خوش رنگ گسترده و از بست و پنج و یا زیادہ قلیان ککڑ بران گذاشتہ و زنی جوانی چالاک خوش وضع و خوش پوشاک بکمال ناز و انداز بالائے آن نشستہ و پیش آن قدح ہائے بنگ نہادہ بہر یکی از مشتاقان ککڑ و بنگ بکمال ناز و ادا می دارد...... و میوہ فروشان از شریفہ و شہتوت و رنگترہ و شربتی لیموں و کمرک و ناشپاتی و دیگر اقسام ہائے ترکاری مانند کدو کہ آنرا لوکی گویند و شلجم و ساگ چولائی و میتھی و اقسام آن زیر دکانہا بعنوان مطبوع چیدہ"۔[2]

دلگیر نے بازار حسین آباد کا حال کچھ اس اسلوب سے نظم کیا ہے کہ بازار پورے جوبن کے ساتھ نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ انداز نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہی زمانے میں بازار میں انواع و اقسام کی سینکڑوں دکانیں تھیں جن میں ہر قسم کا سامان مہیا تھا۔ چند دکانیں یہ تھیں:۔

دکان نان پز، شیرینی فروش، چینی فروش، بزاز، کناری فروش، پشمینہ فروش، پنساری، دواساز، میوہ فروش، کنجڑہ، سنگر، اسلحہ فروش، بساطی، علاقہ بند، مربا و اچار، دکان کاغذی، دکان پتنگ

---

[1] فسانۂ عبرت ص ۲۶-۲۵ [2] سوانح لکھنؤ ص ۵۶ (قلمی)

زنگریز، تنبولی، پاپوش والا، بقال، کوتوالی، خوانچہ والا۔ دکان پز میں شیرمال، پلاؤ، زردہ، حلوا، آبی نان، باقرخانی، پراٹھے، دوپیازے، شبدیگ، گلے پاؤں، کباب، مرغ بریاں، اردی کا سالن نہاری، نشں تنکے وغیرہ اشیائے خوردنی مہیا ہو سکتی تھیں۔ دکان بزازاں کپڑوں سے مالامال تھی:۔ زربفت، اطلس، کمخواب، گلبدن، شبنم، کمیٹ، تن زیب، بوٹی دار اطلس، ہنو، جامدانی مشروع، ٹول، چھینٹ، دارائی، ململ اور نین سکھ۔ دکان بزاز کے سلسلے میں دلگیر کہتے ہیں ؎

اگر بزاز کی کوئی دکاں ہے — تو اس پر نور کا عالم عیاں ہے
کہیں زربفت کا بقچہ کھلا ہے — کہیں ڈھیر اطلس اور کمخواب کا ہے
کھڑے ہیں گلبدن کے سو خریدار — کہیں شبنم کی قیمت پر ہے تکرار
کوئی دلال یہ کہتا ہے آیا — کہ میں مشروع کا گاہک ہوں لایا
کوئی بزاز سے کہتا ہے ہر بار — کہ مجھ کو نین سکھ اچھا ہے درکار

دلگیر کے بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حسین آباد میں چڑیا گھر بھی تھا[1] جہاں اور جانوروں کے علاوہ تندوا، شیر اور ریچھ تھے۔ بادشاہ نے ان کے رہنے کے لئے شاندار مکان تعمیر کئے تھے علاوہ ازیں بازار میں پتھر کی تصویریں بھی نصب کی گئی تھیں۔ پھاٹک پر ایک خوبصورت گھڑیال بھی لٹکایا گیا تھا جس کو دیکھنے کے لئے خلقت کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ یہاں نقارخانہ بھی بجایا جاتا تھا اس قبیل کے چند شعر قابل توجہ ہیں ؎

یہاں شیروں کے رہنے کا مکاں ہے — غرض جب دیکھو ایک مجمع وہاں ہے
کہوں کیا ان کے قامت کی درازی — یہاں روباہ ہیں شیر حجازی
جہاں ہے خرس کا ہر ایک کٹہرا — تماشائی وہاں رہتے ہیں یکجا
نئی رنگت نرالے ان کے ہیں بال — نیا انداز ہے ان کا نئی چال
کئی جو نصب تصویریں ہیں اس جا — سدا گرد ان کی ہے خلقت کا زغا
وہ جو پتھر کی تصویریں ہیں اس جا — یہ ان کو دیکھ کر ہر ایک ہے کہتا
سنا ہے ہر مصور کی زبانی — یہ تصویریں ہیں بے شک کارمانی
بفرمان شہنشاہ خوش اقبال — لٹکتا ہے جو دروازے پہ گھڑیال

---

[1] اس کی تائید رجب علی بیگ سرور سے بھی ہوتی ہے وہ کہتے ہیں "جا بجا پتھر کی تصویریں آدم جنھیں دیکھ کے بت ہو جائے گویا وہ چاہتی ہیں۔ ہر تکلم لب کھولا چاہتی ہیں نقل اصل نظر آئے مانی چین جبیں مانے بہزاد گھبرا کے تختۂ ارژنگ جانے رنگا رنگ کے چوب بنگلے ان میں شیر سرخ، سیاہ، ریچھ، ریچھ، درندے بے مثل جو کبھی کسی نے دیکھے نہیں۔ (فسانۂ عبرت ص۴۹)

نہایت خوبصورت اور بڑا ہے ۔۔۔ یہی گھڑیال سے آتی صدا ہے
ہمیشہ بجتا ہے نقار خانہ ۔۔۔ وہاں ہی مجمع رہتا ہے زمانہ

مثنوی ہٰذا میں دلگیرؔ نے پہلے حمد و نعت اور جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا کی تعریف میں کچھ شعر لکھے ہیں۔ بعد میں ۲۰ شعر میں محمد علی شاہ کی تعریف "در مدح سلطان" کے عنوان کے تحت کی گئی ہے۔ اس میں بادشاہ کے رفاہ عام کے کارناموں اور انتظام سلطنت کے علاوہ شہزادوں کے بلند کردار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ بقول دلگیرؔ بادشاہ کو ہمیشہ رعایا کا آرام مدنظر تھا۔ عزاخانے جو پرانے ہو چکے تھے انھیں از سر نو تعمیر کیا گیا۔ پرانی مسجدوں کی مرمت کی گئی۔ اور وہاں باقاعدہ طور پر نماز جماعت پڑھائی جاتی تھی شفاخانوں میں مریضوں کو قیمتی دوائیاں مفت دی جاتی تھیں۔ عدل و انصاف کا دور دورہ تھا۔ غریبوں میں خیرات بٹتی تھی۔ ملک میں امن و امان تھا۔ چوری چکاری کا نام و نشان کہیں نہیں تھا۔ فتنہ پردازوں کا قلع قمع کیا گیا تھا۔ حسین آباد میں آٹھویں دن مجلس عزا برپا کی جاتی تھی۔ اس میں خلقت کا اژدہام رہتا تھا اور ممتاز ذاکرین پڑھتے تھے۔ بادشاہ کا یہ حکم تھا کہ تمام ارکانِ سلطنت اور شہزادے شریک مجلس ہوں۔ حسین آباد میں روز لوگوں کی کثرت رہتی تھی اور بادشاہ کے حکم سے نماز پنجگانہ کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ رمضان ۱۲۵۵؁ ہجری میں بادشاہ نے یہ حکم صادر فرمایا تھا کہ تمام خلقت امام باڑہ میں جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ چنانچہ اس فرمان شاہی کے مطابق بے مثل اور بہترین قاری بھر بھر تک قرآن خوانی کرتے رہے اور یہ سلسلہ رمضان بھر رہا۔ جب انتیسویں رمضان کو قرآن ختم ہوا تو لوگوں میں شیرینی کے ہزاروں خوان تقسیم ہوئے اور بہت سے اشخاص شاہی خلعت سے مالا مال ہوئے پھر عید کے دن نماز با جماعت کا اہتمام اس جگہ کیا گیا جہاں مسجد جامع[لہ] کی بنیاد ڈالی جا رہی تھی۔ بادشاہ کے حکم کے بموجب یہاں ایک شاندار خیمہ نصب کیا گیا اور اس میں سفید فرش بچھایا گیا۔ اس سے قبل شب عید اعظم الدولہ کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ قریب خیمہ پانی کا بندوبست کرے اور چھڑکاؤ کرے اور سجدہ گاہیں آگے جمع کی جائیں۔ اس حسن انتظام کے بعد

لہ یہ مسجد ۱۲۵۶؁ ہجری میں تعمیر ہونے لگی تھی لیکن بادشاہ کے انتقال کی وجہ سے نامکمل رہی۔ برقؔ نے تاریخ بنا کہی ہے

شاہ ہندوستاں معین الدین ۔۔۔ فخر کسرا و قیصر و فغفور
نام نامی حضرت اعلیٰ ۔۔۔ بہ محمد علی شدہ مشہور
مسجدے بے نظیر کرد بنا ۔۔۔ بخدا ہست رہبری منظور
مہتمم گشت اعظم الدولہ ۔۔۔ جاں نثار حضور شد مامور
برقؔ موزوں نمود تاریخش ۔۔۔ مسجد جامع جدید حضور

۱۲۵۶ ہجری (دیوان برق ص ۱۰۹)

ولی عہد امجد علی شاہ کی سواری نہایت تزک و احتشام کے ساتھ در دولت سے مسجد کی طرف نماز عید ادا کرنے کے لیے روانہ ہوئی۔ راستے میں لوگ سواری دیکھنے کے اشتیاق میں اس قدر کثرت سے تھے کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ غرضیکہ نماز ادا کرنے کے بعد مجتہد العصر[1] نے چاندی کے منبر پر خطبہ فرمایا اور عید کی فضیلت بیان کی۔ خطبہ سے فراغت ہوئی تو ثریا جاہ یعنی ولی عہد نے بہ نفس نفیس اپنے ہاتھوں سے انھیں خلعت پہنایا اور پھر جب ولی عہد خیمہ سے نکل کر عماری پر سوار ہوئے تو سلامی کے لیے توپیں داغی گئیں۔ محل میں آکر ولی عہد بادشاہ کے قدموں پر دستور کے مطابق جھکے اور بادشاہ نے ان پر شفقت کا ہاتھ پھیرا۔ ذیل میں ثریا جاہ ولی عہد کی سواری کا چشم دید واقعہ جو دلگیر نے نظم کیا ہے چند شعر میں پیش کیا جاتا ہے ؎

---

[1] یہ وہی مجتہد العصر ہیں جن کے وسیلے سے مرزا غالب (متوفی ۱۲۸۵ھ) کو سلطان عالم واجد علی شاہ کے دربار سے خلعت ملا تھا (اردوئے معلی ص ۲۵۹) ان کا نام سید محمدؒ، خطاب سلطان العلماء۔ عوام میں مجتہد العصر اور قبلہ و کعبہ کے القاب سے مشہور تھے۔ اور انتقال کے بعد جناب رضواں مآب کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ۱۷ صفر ۱۱۹۹ ہجری کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ جناب غفراں مآب مولوی سید دلدار علی (متوفی ۱۲۳۵ھ) کے فرزند اکبر تھے۔ امجد علی شاہ بادشاہ ان کی قدر کرتے تھے اور انھوں نے ہی سب سے پہلے ان کے لیے قبلہ و کعبہ کی اصطلاح ایجاد کی۔ بادشاہ ان کی خدمت میں اکثر جایا کرتے تھے۔ سلطان العلماء نے تخت نشینی کے موقع پر اپنے دست خاص سے بادشاہ کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا تھا۔ دیوانی اور فوجداری دونوں عدالتیں ان کے ماتحت تھیں اور اس طرح ان کے زمانے میں اودھ میں شرعی حکومت کا دور دورہ تھا۔ ان کے بڑے بیٹے مولوی سید محمد باقر محکمہ شرعیہ کے چیف جسٹس ہوئے تھے۔ بادشاہ بہادر شاہ ظفر (متوفی ۱۲۷۹ھ) جب بیمار پڑے تھے تو مجتہد العصر کے ہاتھ لکھنؤ میں درگاہ حضرت عباس میں بڑی دھوم دھام سے علم چڑھایا تھا۔ وہ کثیر التعداد تصانیف کے مصنف تھے۔ آخرکار ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ ہجری (مطابق ۱۸۶۷ء) کو لکھنؤ میں انتقال فرمایا اور غفراں مآب کے امام باڑہ میں دفن ہیں (تذکرہ بے بہا ص ۳۴۲ سید محمد حسین نوگانوی) منیر نے ہجری اور عیسوی میں تاریخ کہی ؎

حضرت سید محمد نائب مہدی دیں — رفت از دنیائے فانی شد بجنت جاگیر
متقی و عادل و مسند نشین اجتہاد — وارث علم نبی علامۂ روشن ضمیر
ذی التصانیف الکثیرہ سید عالی نسب — درگہر باری کف پر نور او ابر مطیر
بہر تاریخ وفات آں ملاذ الاصفیا — سال ہجری و مسیحی فکر کردم اے منیر
یافتم در مصرع واحد دو تاریخ ایں چنیں
وائے خضر عقل کل ہے ہے امام بے نظیر
(۱۸۶۷ء و ۱۲۸۴ھ نظم منیر ص ۵۱۱)

ہوا عزم سواری ولی عہد — قریب آئی عماری ولی عہد
عماری بھی مغرق پالکی بھی — ہر ایک شہزادے کو حضرت نے بخشی
قبا زربفت کی پہنے تھا کوئی — کسی کے بر میں اطلس کی قبا تھی
سواری دیکھنے امڈی تھی خلقت — در دولت سے تا مسجد تھی کثرت
کھوے سے تھا کھوا ہر ایک کا چھلتا — نگہ کو تھا وہاں رستا نہ ملتا
بھری تھی راہ دکانیں بھری تھیں — ہزاروں نوبتیں ہر جا دھری تھیں
نگر انبوہ تھا یہ رہگذر میں — کہ تا مسجد تھے پہونچے ایک پہر میں
کنجڑنیں پہنیں سب پوشاک رنگیں — لئے ہاتھوں میں اپنی ڈالیاں تھیں
سرا[1] کے پاس جب پہونچی سواری — وہاں بھٹیاریاں حاضر تھیں ساری
سواری جب بہت نزدیک آئی — ادب سے نذر بھٹیاری نے دکھائی
ہوئی یوں عرض ہے یہ مہترانی — اسے سب یاد ہیں باتیں پرانی
ثریا جاہ نے اس وقت ہنس کر — روپے لے کر بہت سے پھینکے ان پر
دعا بھٹیاریوں نے دی خدایا — رہے تم پر سدا حضرت کا سایا

مثنوی در توصیف تالاب مثمن

دلگیر مثنوی کے سبب تالیف میں کہتے ہیں کہ مدت سے ان کا یہ دستور تھا کہ ہر جمعہ کو وہ اپنی مراد بر آنے کے لئے عریضہ لکھا کرتے تھے۔ ایک دن ان کے جی میں آیا کہ حسین آباد جا کر عریضہ تالاب میں ڈالیں۔ چنانچہ ایک دن جب گئے تو وہاں کی دنیا کچھ اور ہی دیکھی۔ یہ سماں

---

[1] سرا۔ محمد علی شاہ بادشاہ نے لکھنؤ میں حسین آباد کے امام باڑہ کے متصل ۱۲۵۵ھ ہجری میں غریبوں، محتاجوں اور رانڈوں کے لئے ایک سرائے تعمیر کی تھی۔ برق نے تاریخ کہی ہے ؎

شہ عادل معین الدین ابو الفتح — بعالم ہست بے شک شاہ شاہاں
کند تا روز محشر فخر حاصل — اگر دارا شود دربان درباں
دعائے ذات اقدس فرض عین است — ز عدلش شد رواج دین و ایماں
سرائے نو بنا فرمود در بند — نہم گردید پیدا باغ رضواں
نوشتم سال تاریخ سعید خش
سرائے لاجواب خاص سلطاں — (دیوان برق ص ۹۶)
۱۲۵۵ ہجری

دیکھ کر دل میں ٹھانی کہ میلے کا حال کچھ اس انداز سے لکھوں کہ یادگار زمانہ رہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ جب امام باڑہ بنایا گیا تو اس کے متصل ہی سرائے کے سامنے ایک تالاب بھی تعمیر کیا گیا[1]۔ دلگیر کے بیان کے مطابق تالاب پر لوگ جوق در جوق لطف اندوزی کے لیے آیا کرتے تھے۔ یہاں بڑے جوش و خروش سے میلہ لگتا تھا۔ میلہ میں ولی عہد امجد علی شاہ بھی شرکت کرتے تھے۔ ان کی سواری جملہ ساز و سامان کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے آتی تھی اور رفیق الدولہ[2] ہم رکاب ہوتے تھے۔

---

[1] یہ تالاب آج بھی حسین آباد کے امام باڑہ سے متصل موجود ہے۔ رجب علی بیگ سرور کہتے ہیں کہ سرا کے سامنے تالاب نایاب ہے جس کے پانی کا قطرہ خجلت دہ گوہر خوش آب ہے۔ ہشت پہل دھولانس کا اور تالاب نہیں شش جہت میں اس کا جواب نہیں (فسانہ عبرت صفحہ ۳۲)۔ برق نے تالاب کی یہ تاریخ کہی ہے ؎

بادشاہ زماں معین الدین | خسرو خوش صفات و خوش اوقات
عادل و حاتم و شجاع و سخا | خوبروئے بدل خجستہ صفات
حامی شرع و بانی دیں است | شد ز عدلش رواج صوم و صلوٰت
ریخت تالاب در حسین آباد | رشک کوثر سبیل راہ نجات
ہمچو آب گہر صفا دارد | ہست شیریں مثال قند و نبات

برق سال بنا نوشت چنیں

چشمۂ آفتاب آب حیات (دیوان برق صفحہ ۲۲۲)
۱۲۵۴ھ

[2] رفیق الدولہ۔ محمد علی شاہ بادشاہ کے رفیق قدیم تھے۔ رفیق الدولہ انھوں نے ہی خطاب دیا تھا۔ بڑے ایمان دار اور معتبر تھے۔ عتبات عالیات یا خانۂ کعبہ جتنا روپیہ جاتا تھا انہی کے توسل سے مجتہد العصر کی معرفت روانہ کیا جاتا تھا۔ رفیق الدولہ کارکنان امام باڑہ حسین آباد کے منتظم اعلیٰ بھی تھے۔ خاص خاص تقریبوں پر ان کی کرسی بادشاہ کے ساتھ ہی بچھائی جاتی تھی۔ چونکہ بادشاہ کے ہاتھ میں ضعف پیری کے سبب رعشہ تھا اس لیے رفیق الدولہ ہی انہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے تھے علاوہ ازیں شہزادوں کی خواہشات کی تکمیل بھی یہی کراتے تھے (قیصر التواریخ صفحہ ۳۵ جلد اول)۔ لکھنؤ سے جب کاکوری جاتے ہیں تو سڑک کے قریب ٹھاکر گنج میں انھوں نے حضرت عباس کے روضہ کی نقل تعمیر کرائی تھی جو اب کربلائے رفیق الدولہ کے نام سے عباس باغ میں یادگار ہے۔ کربلا کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے گنبد و دیواروں پر اعلیٰ صنعت نگاری کے نقش و نگار کے نمونے ہیں۔ رفیق الدولہ کا اصل نام میر امام علی خاں تھا۔ ان کا انتقال ۱۲۷۰ ہجری میں ہوا اور اپنی بنوائی ہوئی کربلا میں دفن ہیں۔ میرزا علی حسین خاں متخلص بہ گویا آسی شاگرد ناسخ نے تاریخ وفات کہی جو ان کی قبر پر کندہ ہے ؎

چوں یازدہم شد از ربیع الثانی | رفتہ ز جہاں والے رفیق الدولہ
تاریخ غم رحلت او گویا گفت | شد قصر جناں جائے رفیق الدولہ

۱۲۷۰ ہجری

یہاں خلقت کا اژدہام رہتا تھا اور تالاب کے زینوں پر پنیسوں اور ڈولیوں کا جھگڑا رہتا تھا۔ عید میں آپس میں چہلیں کرتی تھیں، کسبیوں اور رنڈیوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ تالاب پر خرید و فروخت کے لئے دکانیں بھی کثرت سے لگتی تھیں۔ اس دلفریب سماں کے چند شعر درج کیے جاتے ہیں:۔

سرِ تالاب تھیں کیا کیا دکانیں
تھیں ہر ایک قسم کی ہر جا دکانیں

سڑک[۱] پر ہاتھیوں کا تھا یہ انبوہ
کھڑے تھے جا بجا وہ صورت کوہ

سڑک پر روز ہی رہتا ہے میلا
پر اس دن تھا عجب خلقت کا ریلا

کٹوروں کی کھنک ہر چار سو تھی
غجب سقوں کی اس دن آبرو تھی

نہ کوئی شہر میں ایسا مکاں تھا
جہاں سے ہو نہ اس میلے کا تانتا

امیر آکر کھڑے رہتے تھے اس جا
پنیس کیسی نہ تھا ہاتھی کا رستا

مُسن جو ہیں وہ بولے بادل شاد
ہمیں ہے عہد صفدر جنگ[۲] کا یاد

کبھی دیکھا نہ خلقت کا یہ ریلا
ہوا کب لکھنؤ میں ایسا میلا

لبِ تالاب سرکاری ہیں جھولے
جو جھولے اس پہ غم دنیا کا بھولے

یہ کرتب جھولنے کے ہیں نرالے
زمیں پہ رکھ دے کچھ چیز اور اٹھالے

نئی ایک جھولے کی یہ شان دیکھی
پڑی ہے اس پہ چاندی کی پلنگڑی

مع سازندہ اس پہ ایک کسبی
ملاریں اونچے سُر میں گا رہی تھی

۱؎ یہ سڑک شاہی زمانے میں یادگار زمانہ تھی۔ اس کے بارے میں رجب علی بیگ سرور کہتے ہیں:۔ "دلکشا سے تا در سید الشہداء کہ حسین آباد میں امام باڑہ بنا ہے ایسی نادر سڑک بنوائی کہ ناظرین آنکھیں بچھاتے ہیں، افسردہ دل بشاش ہو جاتے ہیں۔ یہ کیفیت بھی ہزاروں برس زمانے میں یادگار رہے گی۔ خلق خدا دیکھ کے سبحان اللہ کہے گی۔ شرق سے غرب تک اس کا مذکور ہوگا۔ سڑک نہیں بیت الشفا ہے۔۔۔۔۔ دو رستہ بازار سڑک پر تیار ہے (فسانۂ عبرت ص۴۳) یہ سڑک ۱۲۵۳ھ ہجری میں بنائی گئی تھی۔ ناسخ نے تاریخ کہی ہے

خسرو ہند ابوالفتح معین الدین است
رشک شاہان جہاں بادشہ ہندوستاں

تعزیہ دار جگر بند جناب زہرا
حامی شرع نبی عاشق شاہ مرداں

سالک راہ یقیں خضر رہ دین متیں
پیرو چار دہ معصوم قبول یزداں

ہست خورشید جہانتاب زر افشانی
دست دربار جنابش چو سحاب نیساں

چو سڑک ساخت بنا مصرع تاریخ بگفت
ہست ایں نوع سڑک جادۂ راہ ایماں

۲؎ دلی میں ہوائی اڈہ اب تک صفدر جنگ کے نام سے یادگار ہے۔ ان کا انتقال ۱۱۶۷ھ ہجری میں ہوا۔ نواب حسام الدین حیدر خاں تخلص نامی نے بادشاہ غازی الدین حیدر کے حکم سے یہ تاریخ کہی ہے جو قبر پر کندہ ہے ؎

چو آں صفدر عرصۂ مردمی
بدار فنا گشت رحلت گزیں

پے سال تاریخ او شد رقم
کہ بادا مقیم بہشت بریں (دیوان نامی مخطوطہ)
۱۱۶۷ ہجری

وہ خوش آواز تھی جب تان لیتی — تو اپنے عاشقوں کی جان لیتی
ہزاروں وجد میں چھوٹے بڑے تھے — بشر کیا جانور بھی جھومتے تھے
نفر طرفہ وہاں کا حال آیا — کہ اکثر صوفیوں کا حال آیا
وہ جب تک گایا کی خندان و خورسند — یہ عالم تھا کہ رستا ہو گیا بند
اگر کچھ اور تھوڑی دیر وہ گائے — تو زہرہ اس کی سننے کو اتر آئے
مبارکباد کی ہر سو صدا تھی — ہزاروں میں بھی حضرت کو دعا تھی
رہے آباد یہ جا، تا بہ محشر — رہے قائم یہ جلسہ تا بہ محشر

مثنوی در مدح امین آباد

میاں دلگیر نے یہ مثنوی امین آباد کی تعریف میں ۲۴۴ شعر میں نظم کی ہے، امین آباد کی بنیاد امجد علی شاہ[1] بادشاہ کے وزیر اعظم نواب امین الدولہ[2] نے ۱۲۵۸ھ اور ۱۲۶۳ھ کے درمیان ڈالی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎

امین آباد کی لکھتا ہوں تعریف — ہے بے شک وہ جگہ شایان توصیف
ثنائے او بعالم فرض عین است — بنائے آں ز امداد حسین است

نواب امین الدولہ بھی یہیں قیام فرماتے تھے اور یہاں انھوں نے ایک عالی شان محل تعمیر کرایا تھا ؎

۱؎ امجد علی شاہ۔ آپ اوائل رمضان ۱۲۱۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور اپنے والد محمد علی شاہ بادشاہ کے انتقال کے بعد ۲۷ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ ہجری کو بعمر ۴۲ سال تخت نشین ہوئے (وزیر نامہ ص۳۳) راجہ الفت رائے نے تاریخ جلوس کہی ؎

شاہ فلک مرتبہ امجد علی شاہ — مہر سمائے شرف انجم سپاہ
ساختہ الفت پے تاریخ فکر — تا بودش بار دران بارگاہ
مصرعہ برجستہ ز ہاتف شنید — تاج و اورنگ مبارک بشاہ (تواریخ اودھ، [illegible])

امجد علی شاہ اس قدر دیندار اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے کہ سلاطین اودھ میں ایسا کوئی بادشاہ نہیں گزرا (تقویم سیرت السلطنت لکھنؤ سید کمال الدین حیدر مطبوعہ ۱۸۹۶ء) ان کا انتقال ۲۶ ماہ صفر ۱۲۶۳ھ ہجری مطابق ۱۳ فروری ۱۸۴۷ء کو بعمر ۴۷ سال پانچ ماہ اور بارہ دن ہوا (قیصر التواریخ ص ۳۸۵ جلد اول) اسیر نے تاریخ کہی ؎

شاہ عادل نیک طینت نیک سیرت نیک خو — ترک دنیا کرد و در دلہا نہاں شد قلق
از سروش غیب پرسیدم چو تاریخ وفات — گفت شد امجد علی جنت مکاں واصل بحق
۱۲۶۳ ہجری (دیوان اسیر جلد دوم مخطوطہ لکھنؤ یونیورسٹی)

۲؎ امین الدولہ۔ امداد حسین خاں نام امین الدولہ خطاب۔ تاریخ اودھ میں ان کا نام بڑے احترام کے ساتھ لیا گیا ہے۔ سید کمال الدین حیدر نے ان کا نام یوں لکھا ہے:۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جو کوچہ ہے وہ دولت سے بھرا ہے — وزیرِ ہند کی دولت سرا ہے
جلو خانہ میں وسعت اس قدر ہے — کہ گویا سب جہاں پیشِ نظر ہے
منبت حسن سے خالی نہیں ہے — فدا ہر نقش پر نقاش چیں ہے
عجائب نور کے ہیں شیشہ آلات — برابر ہے ضیا ان سب میں دن رات
جو جھاڑ استادہ ہر جاگہ دھرے ہیں — تو وہ نورِ ضیا سے سب بھرے ہیں
بہت سے نصب ہیرے کے کنول ہیں — رکھے ہر ایک جہاں پر برمحل ہیں

امین آباد میں امین الدولہ کے زمانے میں انواع و اقسام کی دکانیں تھیں آج بھی یہاں بڑی چہل پہل رہتی ہے۔ اسے لکھنؤ کا دل سمجھنا چاہئے۔ مثنوی میں حمد و نعت کے بعد امین الدولہ کی تعریف میں چند شعر ہیں اس کے بعد امین آباد اور امجد علی شاہ کی تعریف کی گئی ہے۔

۱۳۱ نرسنگ گڑھ
سری نگر کشمیر

اکبر حیدری

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ)

"رکن رکین خلافت و جہانداری اعتضاد سلطنت و شہریاری زبدۃ الامراء مدار المہام وزیر الممالک امین الدولہ عمدۃ الملک امداد حسین خان بہادر ذوالفقار جنگ یار وفادار سپہ سالار فدوی خاص جاں نثار محمد امجد علی شاہ ..." (قیصر التواریخ ص۲۰۳ جلد اول)

نواب امین الدولہ بڑے دیندار، پابند شرع اور خاندان اجتہاد کے معتقد تھے۔ ان کی ایمانداری کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ جب وزارت کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے تو بادشاہ کو چھ لاکھ روپئے قبل از خانہ نشینی دیئے اور کہا کہ یہ روپیہ حضور کی بدولت حاصل ہوا تھا یہ مال سرکار ہے اور اس طرح اپنی دیانت اور امانت ظاہر کی۔ اس رقم میں سے بادشاہ نے ایک لاکھ روپے تعمیر عمارت کے لیے عنایت فرمائے (رسالہ سوانح عمری ص۲۹، قیصر التواریخ ص۲۴۷ جلد اول) نواب موصوف نے شاندار باغ لکھنؤ میں لگوایا تھا "باغ ارم" اس کی تاریخ ہے جس سے سنہ ۱۲۴۴ ہجری نکلتے ہیں (دیوان رند ص۲۱۵) امجد علی شاہ نے انہیں ۱۲۶۵ھ میں الماس باغ عنایت کیا تھا (دیوان رند ص۲۱۵) نواب نے سنہ ۱۲۶۶ ہجری میں تال کٹورہ کی کربلا کے نزدیک ہی حضرت عباس کے روضہ کی نقل تعمیر کی اس کی بنیاد سلطان العلماء نے ڈالی تھی یہ اب کربلائے امین الدولہ کے نام سے یادگار ہے۔ کربلا پر برقؔ کی یہ تاریخ کندہ ہے ؎

کرد تعمیر چو نواب امین الدولہ — مرقد پاک علمدار شہ عرش مقام
برقؔ تاریخ رقم کرد بامداد حسین — شد بنا مشہد علمدار امام
۱۲۶۶

امین الدولہ کا انتقال سنہ ۱۲۶۳ ہجری میں ہوا۔ قبر پر کندہ کرنے کے لئے اسیرؔ لکھنوی نے تاریخ کہی ؎

کوچ از منزل جہاں فرمود — آنکہ او بود در وزارت صدر
تاریخ سال فوت گفت اسیرؔ — خوابگاہ وزیر عالی قدر

۱۲۶۳ ہجری (دیوان اسیر ص۴۲۹)

عرضداشت منظومہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد علی شاہ کیواں مکاں — فلک آستاں و ملک پاسباں
فرد زندۂ بزم شاہنشہی — کہ زیبا ہے سر پہ کلاہ شہی
بلندی میں ہے آستاں مثل عرش — نگاہ ملائک نہ کیونکر ہو فرش
ہمیشہ ہیں اس در پہ جو جبہ سا — یہ ہے ان کی خدمت میں اب التجا
ہوا میں جو مشہور مداح شاہ — کہ ہم آگہ ہوئے جنت آرام گاہ
یہ سن کر کیا آپ نے سرفراز — دیا مجھ کو ہم جنسوں میں امتیاز
پڑھا جب کہ معروضۂ خانہ زاد — کرم سے کیا نام بندے پہ صاد
اسی طرح برسوں ملازم رہا — دعا گو ہمیشہ یہ خادم رہا
ہوا جب سدا پایا سرکار سے — نہ آگہ ہوا روئے دربار سے
زمانہ جو شاہ زمن کا ہوا — مشرف باسلام بندا ہوا
اسی سال میں نے لیا تعزیہ — نہیں میری اس عرض میں کچھ ریا
سنا جبکہ حضرت نے یہ ماجرا — کیا شاد ہو کر اضافہ مرا
کئی سال بندہ وہ پایا کیا — عدام اپنے مصرف میں لایا کیا
جو نواب مرحوم آئے یہاں — پڑی مجھ پہ یہ گردش آسماں
کہ موقوف میرا اضافہ ہوا — بہت تب سے مقروض بندہ ہوا
کروں رات دن شکر اللہ کا — کہ حضرت کو حق نے کیا بادشاہ
قدیموں کو اپنے کیا سرفراز — ہر ایک کو کیا بذل سے بے نیاز
قدیموں میں الحق کہ میرے سوا — نہیں کوئی محروم اصلا رہا
سو بندہ بھی ہے اس کا امیدوار — نگاہِ کرم ہو ادھر ایک بار
کہ یہ ذرہ رخشاں ہو خورشید وار — زمیں پر درخشاں ہو خورشید وار
غنی اس قدر ہو کے ہو بے نیاز — جو ہم جنس ہیں ان میں ہو سرفراز
ادا میرے سر سے ہو ہر ایک کا دین — نہ ہو ترک مجھ سے عزائے حسین
میرے واسطے دستخط ہوں شتاب — کہ پیش از محرم میں ہوں کامیاب

کرے صدقۂ شاہ سے یہ غلام
عزاداری سبطِ احمد امام

یہ دستگیر اللہ سے کر دعا
الٰہی یہی ہے میرا مدعا

جہاں میں یہ سلطان سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

بحق علی و بحق رسول
بحق حسینؑ و بحق بتول

عرضداشت دوم

محمد علی بادشاہ جہاں
ابوالفتح نوشیروان زماں

ملائک سپاہ و کواکب خدم
خدیو جہاں ذوالکرم ذوالحشم

شہنشاہِ دوراں فلک اقتدار
فرشتہ سیر خسرو کامگار

خداوند تخت و خداوند تاج
ملے اس کو روئے زمیں کا خراج

رہے چتر تا دور چتر فلک
رہے حفظ کو دور حدِ ملک

کہاں تک میں شکر عنایت کروں
زباں میں کہاں تا حکایت کروں

جو ہر مو بن مو بدن پر زباں
نہ تو بھی ہو شکر عنایت بیاں

یہ دو سو جو مجھ کو عنایت ہوئے
زیادہ یہ تھے مجھ کو دو لاکھ سے

کروں شکر اس کا میں کیونکر ادا
کہ میں نے محرم بخوبی کیا

رہے روز بزم عزائے حسینؑ
رہے شور و ماتم برائے حسینؑ

یہی بعد مجلس تھی ہر دن دعا
کہ سایہ رہے شہ پہ عباسؑ کا

الٰہی یہ تا حشر قائم رہے
جہاں میں خضروار دائم رہے

یہ جو کچھ کہ مجھ کو عنایت ہوا
ہوا سب کا سب صرف بزم عزا

غلام قدیمی ہے کچھ دین دار
سو البتہ اس کا ہے امید وار

کہ ہو اتنی اب پرورش کی نگاہ
تقاضا کریں تا نہ پھر قرض خواہ

اضافہ کا بندہ ہے امیدوار
نہ مقروض ہوتا کہ یہ صدقہ خوار

اٹھا ہاتھ دستگیر بہر دعا
الٰہی یہی ہے میرا مدعا

زمیں پر یہ سلطان ہمیشہ رہے
سپہر بریں زیر فرماں رہے

سدا مہر اقبال رخشاں رہے
ہمیشہ یہ ماہ درخشاں رہے

عرضداشت سیوم شکریہ عنایات سلطانی

بہر رتبہ محمد علی شہ جم جاہ   غریب پرور و عاجز نواز و ظلِ الٰہ
معین دین و ابوالفتح و عادلِ دوراں   محبِ شرعِ نبی عاشقِ شہِ مرداں
فرشتہ خصلت و شاہنشہ بلند وقار   منیب جملہ سلاطین و نائب داد آر
خدیوِ ملک و خداوند افسر و دیہیم   سخی ابن سخی و کریم ابن کریم
میں کس زباں سے کروں شکر پرورش کا ادا   کہ خانہ زاد اضافے سے سرفراز ہوا
ادائے شکر کرے کیا یہ بندۂ جاوید   نہ ذرہ کر سکے شکر عنایت خورشید
ہزار شکر میرا بخت نحس سعد ہوا   کہ قدر دان میرا چالیس سال بعد ہوا
کرم سے آپ کے رتبہ میرا دوچند ہوا   میں سرفراز ہوا اور میں سربلند ہوا
مجھے یقیں ہے اب افلاس دور ہوا میرا   زہے نصیب نظر کردۂ حضور ہوا
نہ ہوگا شکر عنایت تو کچھ ادا دلگیر   یہ کر تو بارگہِ حق میں اب دعا دلگیر
الٰہی چرخ پہ روشن ہیں جب تلک کوکب   ہمارے شہ پہ رہے سایۂ امیر عرب
الٰہی خلق میں جب تک ہیں خضر اور الیاس   مدد رہیں میرے اس بادشاہ کے عباسؑ
جو اس جناب علی کا ہو کوئی بدخواہ   مدام خوار و پریشاں رہے وہ بخت تباہ

الٰہی شاہ زماں پر ہو سایۂ شبیر؎
اور اس کے سایۂ اقبال میں رہے دلگیر

مسدس ترجیع بند

اے شہنشاہِ زمانہ سایۂ پروردگار   با مروت با سعادت با سخاوت باوقار
چار دہ معصوم حامی اس کے ہوں لیل و نہار   سارے عالم کی زباں پر یہ دعا ہے بار بار
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

کیا بجا شہ کا ابوالفتح و معین الدین ہے نام   شاہ کے فضل و کرم سے بہرہ ور ہیں خاص و عام
قیصر و کسریٰ سے بہتر شہ کا ادنیٰ غلام   لب پہ خاص و عام کے جاری سدا ہے یہ کلام
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

؎ حاشیہ پر یہ مصرع اس طرح ہے "الٰہی ہو اسے حاصل خراج ہفت اقلیم"

دال حقیقت پہ ہے ترکیب نام شاہ کی　　ہے محمدؐ کے قریں بے فاصلہ نام علی
دونوں نام پاک ہیں حضرت کے حامی ہر گھڑی　　جو کہ حق بیں ہیں دعا ہر وقت ہے ان کی یہی
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہِ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

بارگاہِ خاص تک پہونچا اگر کوئی گدا　　ایک نگاہِ لطف سے فوراً تونگر ہوگیا
اللہ اللہ کیا عطا ہے اللہ اللہ کیا سخا　　کیوں نہ ہو سب کا وظیفہ بس یہی صبح و مسا
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

ہر کہ و مہ شہ کے دست جود سے ہیں بہرہ مند　　غیر راحت کے کسی کو بھی نہ پہونچا نا گزند
جز سخا و عدل کچھ ہرگز نہیں شہ کو پسند　　تب تو ساری خلق کہتی ہے باوازِ بلند
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

سارے عالم پر ہے شہ کا سایۂ فضل و کرم　　تعزیہ خانوں میں ہوتے ہیں جہاں مومن بہم
پرورش سے سب کے شہ فارغ نہیں ہیں ایک دم　　سب دعائیں مانگتے ہیں بس یہی زیرِ علم
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہِ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

ناصرِ اسلام ہے حامی دینِ جعفری　　شہ کی ہمت سے بھلا حاتم کو کیا ہے ہمسری
گو ہر و زر سے ہمیشہ رہتی ہے مٹھی بھری　　سب یہی کہتے ہیں جتنے ہیں جہاں میں حیدری
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہِ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

غلغلہ ہر گھر میں شاہنشاہ کے ہے فیض کا　　ہر گھڑی ہر وقت دست جود کا ہے تذکرا
مومنین سادات ہیں ہر آن مشغولِ دعا　　آ رہی ہے ہر در و دیوار سے بس یہ صدا
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

یا الٰہی ہو فزوں شہ کی سدا شان نمود　　اور گرفتار اذیت ہوں سدا سارے حسود
ہے دعا گوئی سے شاہنشاہ کے عالم کو سود　　مومنوں پر ہے یہی واجب کہیں بعد از درود
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

رات کو اس امر کا مجھ کو نہایت سوچ تھا   اپنے شاہنشاہ کے حق میں کروں میں کیا دعا
ناگہاں ہاتف کی میرے کانوں میں آئی صدا   پڑھ اگر یہ شعر تو جائے دعا کیا ہے بجا
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

ان دنوں یہ ورد ہے ہر بندۂ درگاہ کو   کہ خدائی شاہزادے کی مبارک شاہ کو
سایہ شہ میں رکھے حق دو نو مہر و ماہ کو   ہے دعا لازم یہی ہر ایک دولت خواہ کو
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

فیض سے اس شاہ کے لبریز ہے سارا جہاں   شہ کے جود و فیض سے خالی نہیں کوئی مکاں
کعبے سے جو لوگ آتے ہیں وہ کرتے ہیں بیاں   بعد طوف کعبہ ہر دم ہے یہ قولِ حاجیاں
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

اللہ اللہ شاہ کا کیا فیض عالمگیر ہے   داعیِ دولت سدا ہر زائرِ شبیر ہے
مستند مجھ کو خبر پہنچی یہ اے دلگیر ہے   روضۂ عباس میں سب کی یہی تقریر ہے
رات دن شام و سحر عباس کا سایہ رہے
شاہِ والا قدر پر عباس کا سایہ رہے

مسدس ترجیع بند در تعریف حسین آباد

حسین آباد کیا جائے فضا ہے   بعینہ سارا نقشا خلد کا ہے
سراپا جلوہ گر نورِ خدا ہے   یہ میرا قول یارو کیا بجا ہے
اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

عزا خانہ ہوا جب بن کے طیار   ہوا پھر اور ہی جلوہ نمودار
خرد تشبیہ کی جویا ہے ہر بار   یہی کہتا ہوں اس کو بہ تکرار
اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

زہے نور اور زہے نعمت زہے شاں — تصدق مہر ہے اور چرخ قرباں
ملائک آدمی سب اور پری جاں — قسم کھا کھا کے یہ کہتے ہیں بر آں

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

وہ نہر پاک اور حوض مطہر — ہے ایک تو سلسبیل اور ایک کوثر
زیارت کرتا ہوں جس دم میں جا کر — یہی شعر آتا ہے میری زباں پر

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

عجب اشجار ہیں رعنا و زیبا — پتا ملتا ہے بستان ارم کا
مہک ہے خلد کے پھولوں کی ہر جا — سوا اس کے کوئی مومن کہے کیا

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

حقیقت میں یہ باغ بے خزاں ہے — نہیں ہے دخل اس میں بہمن و دے
یہاں بے مثل ہے ہر چیز ہر شے — صدا آتی ہے گردوں سے پیا پے

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

سوا جنت کے کس جا یہ اثر ہو — کہ سر سبز آ کے وہاں سوکھا شجر ہو
جب ایسی جا پہ خلقت کا گذر ہو — نہ کیونکر یہ کلام ہر بشر ہو

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

ہر ایک بوٹے پہ اختر کا گماں ہے — زمیں یہاں کی نظیر آسماں ہے
نظر آیا جسے وہاں کا سماں ہے — یہی شعر اس کے بس ورد زباں ہے

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

جو یہاں کا فرش گردوں کو نظر آئے — یقیں ہے رشک سے وہ فرش ہو جائے
جیوں سے خضر کو جب یہ جگہ بھائے — تو وہ مرسل نہ کیونکر منہ سے فرمائے

اگر فردوس بر روئے زمیں است

ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

عزاخانہ[1] ہے یا گلزار فرخار　　کہ ہر جانب کو ہیں گلہائے بے خار
رہیں اس باغ کے دشمن سدا خوار　　کہیں ہر آن حضرت کے نمک خوار

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

ضریحوں[2] پر عجب نور و ضیا ہے　　شبیہ روضۂ فخر خدا ہے
زبس نقشا ارم کا جا بجا ہے　　یہی بس قول ہر دیندار کا ہے

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

عجب خوبی سے قندیلیں ہیں روشن　　کہ گویا نور کا پھولا ہے گلشن
معترف ہیں مکاں کے دوست دشمن　　یہی کہتا ہے ہر شیخ و برہمن

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

مشابہ برج ہیں کوہ نجف[3] سے　　شرف میں ہیں سوا برج شرف سے
چلے آتے ہیں زائر ہر طرف سے　　یہی غل ہے بپا ہر ایک صف سے

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

---

[1] عزاخانہ۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد میں مجلسیں برپا کی جاتی ہیں۔ عزاخانہ کا دوسرا نام امام باڑہ ہے۔

[2] ضریح (ع) اسم مونث۔ گور، قبر، مزار، مرقد، مقبرہ، تعزیہ۔ وہ چھوٹا سا کارچوبی تعزیہ جو نہایت مغرق اور ہمیشہ کے واسطے بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں۔ عموماً شبیہ روضہ مبارک سید الشہدا کے دو نام ہیں۔ تعزیہ اور ضریح مبارک ان دونوں کی وضع مختلف ہے یعنی تعزیہ مربع کونی کے انداز کی ہوتی ہے۔ ناسخ کہتے ہیں:

نظر آئی ضریح تربت شبیر لوہے کی　　زیادہ سیم و زر سے ہو گئی توقیر لوہے کی

(فرہنگ آصفیہ صفحہ ۲۳۵ جلد سوم سید احمد دہلوی)

[3] نجف۔ عراق میں یہ مقام اس لیے مشہور ہے کہ یہاں پر حضرت علیؑ کا روضۂ مبارک ہے۔ آپ کی ولادت ہجرت نبوی سے ۲۳ سال قبل خانۂ کعبہ میں واقع ہوئی۔ ۱۹ رمضان ۴۰ھ ہجری کو عبد الرحمن ابن ملجم نے آپ پر مسجد کوفہ میں نماز صبح کے وقت زہر آلود تلوار کا وار کیا اور اسی طرح ۲۱ رمضان سنہ مذکور کو آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ بحر الواعظین میں یہ تاریخ درج ہے ؎

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بنا فرمائیں جس کو شاہ خوش خو ۔ عظیم اللہ خاں سا مہتمم ہو
گذر جس جا ملائک کا ہو یارو ۔ کہیں کیونکر نہ سب ایسے مکاں ہو

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

عظیم اللہ خاں سا کوئی مختار ۔ نہ دیکھا جاں نثار شاہ زنہار
عزا خانہ کیا جس دم طیار ۔ تو یوں کہنے لگے سب خلق یکبار

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

نظر آتی ہے جس کو یہ عمارت ۔ یہ کہتا ہے رہے بانی سلامت
رہے دائم بقائے جاہ و دولت ۔ دعا کے بعد یوں کہتی ہے خلقت

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

رہے قائم سدا یہ کارخانا ۔ بسان آسماں ہووے پرانا
مبارک شاہ کو ہو یاں کا آنا ۔ یہی ہر دم کہے سارا زمانا

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

دعا دلگیر نے کی جب بہ شاہ ۔ کہی ہاتف نے یہ تاریخ ناگاہ
کہ کیا ہی روضۂ عالی ہے واللہ ۔ پھر اس کے بعد بولا وہ حق آگاہ

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

گر تو سال نہاد تش جوئی ۔ بر ہاتم جیرانی گوئی
باز سال نہاد تش کہ جلی ست ۔ بگماں آخود حرف علی ست
سال خو تش دگر بہ تعمیہ خواں ۔ دلے صد وائے زیب شد ز جہاں
در نجف مرقد منور اوست ۔ آسمان و زمیں منظر از دوست

(مفتاح التواریخ صفحہ ۱۳۲ از تھامس ولیم بیل مطبوعہ ۱۸۶۷ء)

مسدس در منقبت چہاردہ معصوم علیہم السلام
ودعائے بادشاہ خلد اللہ سنہ ۱۲۵۶ ہجری

الٰہی جس طرف رغبت ہو شہ کی وہ میسر ہو   ابد تک ذات سے حضرت کی زیب تخت افسر ہو
فزوں جاہ و حشم اس شاہ کا مثل سکندر ہو   خضر کی طرح طول زندگی تا روز محشر ہو
محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

چراغ سلطنت کو ہو ضیا اس شاہ کے دم سے   بہت درباں ہوں درگاہ شہ کے قیصر و جم سے
الٰہی نجم دولت شہ کے ہوں تسبیح کے نگ سے   سلیماں کی انگوٹھی کا ہو کام اس شہ کی خاتم سے
محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

ہمیشہ سیم و زر ہاتھوں سے شہ کے ہر گدا پائے   یہ خسرو حاصل ایران و توران اے خدا پائے
سکندر کو ہو جس پر رشک ایسا مرتبا پائے   خراج ملک صحت پائے اقلیم شفا پائے
محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

مداخل ہو کروڑوں کا سدا شہ کے خزانے میں   مصارف ہو عدم کا ایک دن کے کارخانے میں
رہے پیوست تیر آرزو ہر دم نشانے میں   مرے اس شعر کا اب ورد ہے سارے زمانے میں
محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

سدا رتبہ ہو عالی شاہ کی سرکار کا یا رب   رہے مورد یہ فضل حضرت غفار کا یا رب
کرم شہ پر ہو ہر دم احمدؐ مختار کا یا رب   دعا یہ ہے تصدق حیدر کرار کا یا رب
محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

الٰہی واسطہ دیتا ہوں میں احمدؐ کے پیارے کا   تجمل دمبدم افزوں ہو حضرت کی سواری کا
سدا عہدہ رہے آب بقا کو آبداری کا   سدا جلوہ ہو باغ عمر میں فصل بہاری کا

محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

الٰہی واسطہ دیتا ہوں میں شبیرؑ[۱] و شبرؑ[۲] کا — توسل چاہیے ہر ایک کو سبطین پیمبرؐ کا
فروزاں سر حشمت ہو شاہ دادگستر کا — قیامت تک رہے مالک یہ خسرو تخت و افسر کا

محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

ہے دنیا جب تلک تب تک رہے یہ شاہ دنیا میں — رہے قائم طفیل عابدؑ ذی جاہ دنیا میں
صحیح و تندرست اس کو رکھے اے اللہ دنیا میں — دعا کرتا ہے یوں ہر بندۂ درگاہ دنیا میں

محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

ہمارا شاہ ہے نام آئمہ کا بدل عاشق — کرم باقرؑ[۳] کا ہے اس شہ پہ فضل جعفر صادق
ہمیشہ خیر کے طالب ہیں شہ اور خیر کے عاشق — دعا لازم ہے یہ اس کو جہاں میں جو کہ ہے ناطق

محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

نہیں ہے کس کے سر پر ناز اس عادل کے احساں کا — جوانمرد و سخی ہے اور محب ہے شاہ مرداں کا
دلا کر واسطہ کاظمؑ[۴] کا اور شاہ خراساں[۵] کا — یہی کرتا دعا ہے خانہ زاد ایک خاقاں کا

محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

۱؎ شبیرؑ۔ حضرت امام حسین کی کنیت ہے۔

۲؎ شبرؑ۔ حضرت امام حسن کی کنیت ہے۔ آپ رسول اللہ کے نواسے اور تیسرے امام ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ ہجری کو پیغمبر اسلام کے گھر میں ہوئی اور ۲۸ صفر ۵۰ھ ہجری کو زہر دے کر شہید کر دیے گئے۔

۳؎ امام محمد باقر۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ ان کی ولادت یکم رجب ۵۷ھ کو ہوئی اور شہادت کی تاریخ ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ ہجری ہے۔

۴؎ امام موسیٰ کاظم۔ آپ ساتویں امام ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۲۸ھ ہجری میں ہوئی اور ۱۸۳ھ میں شہادت پائی۔

۵؎ شاہ خراسان، امام علی رضا کو کہتے ہیں۔ آپ آٹھویں امام ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۱ ذی قعدہ ۱۴۸ھ کو مدینہ میں ہوئی اور ۳۰ صفر ۲۰۳ھ کو زہر دے کر شہید کیے گئے۔ آپ کا روضہ مشہد میں ہے۔

فریضے سے فراغت جب پانچوں وقت پاتا ہوں　　غم دنیا خدا آگاہ ہے سب بھول جاتا ہوں
تقی[1] کا اور نقی[2] شہ کا واسطہ حق کو دلاتا ہوں　　یہی کہکر دعا کے واسطے میں ہاتھ اٹھاتا ہوں
محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

خداوندا تصدق عسکری[3] کی خوش نہادی کا　　سدا سرکار شاہی میں رہے سامان شادی کا
عدو اس شاہ کا قیدی ہو دام نامرادی کا　　یہ کہتا ہوں میں دے کر واسطہ مہدی ہادی کا
محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

کرم شہ پر رہے شام و سحر شاہ حجازی کا　　ملے درگاہ حق سے شہ کو رتبہ سرفرازی کا
دلاکر واسطہ ہر ایک دم عباس[4] غازی کا　　یہی اب مسجدوں میں قول ہے ہر ایک نمازی کا
محمدؐ اور علی کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

ولی عہد اور سب شہزادے باصد شوکت و حشمت　　قیامت تک رہیں قائم بزیر سایۂ حضرت
فروزاں اعظم الدولہ کا ہووے نیر دولت　　خدایا جلد میری اس دعا کو ہو قبولیت
محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

دعا گوئی قدیمی ہے یہ دلگیر آئے گا حضرت　　گر ہے یہ مسدس ایک باعث سے کہا حضرت
مجھے امید ہے تقسیم ہو یہ جا بجا حضرت　　دعا گو جتنے ہیں ان کا یہی ہو ورد یا حضرت
محمدؐ اور علیؑ کا سایہ ہر دم شہ کے سر پر ہو
ابو الفتح اے خدا فرمانروائے ہفت کشور ہو

---

[1] امام محمد تقی۔ نویں امام ہیں۔ ان کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۰ رجب سنہ ۱۹۵ھ کو ہوئی اور ۲۹ ذی قعدہ سنہ ۲۲۰ ہجری کو انھیں بغداد میں زہر دے کر شہید کیا گیا۔ [2] امام علی نقی۔ دسویں امام ہیں۔ آپ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ۵ رجب سنہ ۲۱۴ھ کو ہوئی اور ۳ رجب سنہ ۲۵۴ ہجری کو سامرے میں رحلت فرمائی۔ [3] امام حسن عسکری۔ آپ گیارھویں امام ہیں۔ آپ کی ولادت ۸ ربیع الثانی سنہ ۲۳۲ھ میں مدینہ میں ہوئی اور ۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ ہجری کو آپ کو زہر دے کر شہید کیا گیا۔

[4] حضرت عباس۔ آپ کی ولادت سنہ ۲۶ ہجری میں ہوئی اور کربلا کے میدان میں ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری کو شہید ہوئے۔ آپ حسینی فوج کے علمبردار تھے۔

مثنوی در تعریف امام باڑہ و برج طلا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام خالق کا کیا منور ہے   سب سے اعلیٰ ہے سب سے برتر ہے
ذات معبود جاودانی ہے   کل خالق ہے کل کا بانی ہے
حکم سے بچھ گیا یہ بستر خاک   بن گئی سب عمارت افلاک
کیا ہی زیبا ہیں اس عمارت پر   بارہ برج اور قرص شمس و قمر

نہیں اُس کا شریک ہے واللہ
وحدہٗ لاشریک ہے واللہ

در نعت و منقبت

بعد حمد خدائے عز و جل   جلد اے خامہ سمت نعت کے چل
احمدؐ و مرتضیٰؑ نہیں ہیں جدا   چاہیئے نعت و منقبت یک جا
ایک خیر الانام ہے بیشک   ایک پہلا امام ہے بیشک
نہیں ان میں مغائرت مطلق   ایک معشوق ایک عاشق حق
ایک دریائے فیض ایک سحاب   ایک ہے آفتاب ایک مہتاب
اُس سے مشتق ہوئے ہیں بارہ نور   اس سے ظاہر ہوئے ہیں گیارہ نور
ایک ہر شے کا باعث ایجاد   ایک جبرئیل کا ہوا اُستاد
ایک تنزیل پر لڑا اکثر   ایک تاویل پر لڑا اکثر
ایک کا معجزہ ہے شق قمر   ایک کا رجعت شہ خاور
ایک ہے فخر انبیائے سلف   ایک ہے فخر اور صیائے سلف
ایک کے غمگسار تھے جبرئیل   ایک ہادی خلق بے جبرئیل
ایک مددگار ہر پیمبرؑ ہے   ایک قسام نار و کوثر ہے
ایک حاجت روائے عالم ہے   ایک مشکل کشائے عالم ہے

جب محمدؐ علیؑ کا ذکر کیا
کوئی مشکل نہ پھر رہی اصلا

در مدح حضرت خیر النساء و باقی آئمہ ہدا علیہم السلام

بخدا غیر حضرت زہرا — نام کس کا ہوا ہے خیر النساء
اے خوشا قدر و عزت و تکریم — سرو قد مصطفےٰؐ نے کی تعظیم
بنت محبوب حق خدا کی قسم — فخر حوا ہے بہتر از مریم
وہ تھی ام المسیح نام آور — یہ تھی گیارہ مسیح کی مادر
ایسی اولاد اُس نے پائی ہے — جن کے قبضے میں سب خدائی ہے
ہیں امام دوم امام حسن — جن کا ہے آشکار خلق حسن
یہ کہے کوئی مرتبہ ان کا — مثل جد و پدر ہیں عقدہ کشا
حبذا شان سید الشہدا — جان قرباں سید الشہدا
لے کوئی صدق سے جو نام حسین — آنکھوں میں روشنی ہو دل کو چین
پایا خیر الورا سے اُس نے خطاب — اہل جنت کا سید شباب
تھا جو عابد کو عشق رب عباد — حق نے اس کو لقب دیا سجاد
قدر و توقیر باقر معصوم — کیا کہوں میں کہ سب کو ہے معلوم
رہبر خلق جعفر صادقؑ — مثل احمد خدا کے ہیں عاشق
ہادی دیں جناب کاظم ہیں — ملک شرع نبی کے ناظم ہیں
کب بشر سے بیاں ہو وصف رضاؑ — تھے وہ جو یار رضائے حق کے سدا
ہیں تقیؑ راہ راست کے مالک — یعنی آٹھویں بہشت کے مالک
ہیں نقیؑ منبر نبیؐ کے خطیب — ہیں ملائک تمام اُس کے نقیب
حسن عسکری عرش وقار — لشکر دیں کے ہیں سپہ سالار
ذات مہدی سے ہے جہانِ قیام — تا قیامت ہے انتظام جہاں
اللہ اللہ یہ رتبہ اعلیٰ — مقتدی ہوں گے حضرت عیسیٰ

در مدح معین الدین نوشیروان زماں محمد علی بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ

وصف ایک شمہ اب کروں اُس کا — ہے جو سلطان عصر ظلِ خدا
کہ محمد علی عرش جناب — شاہ انجم سپاہ ماہ رکاب
ہے ابو الفتح نام کیا زیبا — فتح حاضر رکاب میں ہے سدا

جز نبی اور اللہ الا مجاد — کوئی اُس سے سخی نہیں ہے زیاد
ہے شہ با سخا کی دربانی — بہ از انگشتری سلیمانی
ناصرِ ملت رسول اللہ — حامیِ دینِ جعفری ہے یہ شاہ
آفتابِ سپہرِ شاہی ہے — ماہ سے نور تا بماہی ہے
اس کا جو کمترین چاکر ہے — قیصرِ روم سے وہ بہتر ہے
واصفِ عدل سب زمانہ ہے — ذکرِ نوشیرواں فسانہ ہے

ہے یہ حضرت کی بارگاہ بلند
کہ پہونچتی نہیں نگاہ بلند

در وصف اسپ بادشاہ

وصفِ توسن جو ہو گیا منظور — ہنس کے کہنے لگے سب اہلِ شعور
حالِ سرعت کا ہو گا کیونکہ رقم — کہیں لگتا نہیں ہے پائے قلم
نہیں مضمون ہاتھ آتا ہے — وہم سے بیشتر وہ جاتا ہے
غرب سے شرق تک ہے ایک ڈپٹ — گوش زد ہو نہ پاؤں کی آہٹ
گر سبک گامی اس کی ہو تحریر — پھر نہ کوئی سنے قلم کی صریر
وصف کیوں کر ہو ایسے گھوڑے کا — نام گاہے سنا نہ کوڑے کا
تیز جس وقت جائے وہ فر فر — منزلوں اُس سے پیچھے ہو صرصر
گر قدم بر لگے وہ رشکِ ہوا — ساتھ سے لو بجھے کہے یہ صبا
اس کی صیحہ کی گر صدا سن پائے — شیرِ صحرا کو گاہ نیند نہ آئے
گر طرارہ بھرے وہ مجمل تن — جو کڑی صاف بھول جائے ہرن
وقت کاوے کے بس یہی غل ہے — کہ ہم دور اور تسلسل ہے
ہوں سے تھم جائے ہاں سے دونا تیز — حکم راکب کا تھپکی اور مہمیز
ہاتھ پر رکھ لے گر سوار اس کا — ق — ایک لبریز پانی کا کاسا
کرے یہ جست و خیز اور پھرے — پر نہ پانی کا ایک قطرہ گرے
جس گھڑی بادشاہ گل پیکر — (ق ثانی) — جلوہ کرتے ہیں پشتِ توسن پر
کہتے ہیں بس یہی صغار و کبار — بوئے گل دیکھ با صبا پہ سوار
رہے جس جا پہ وہ پری پیکر — کبھی دیو زبوں کا ہو نہ گذر

در مدح شمشیر

وصف شمشیر کا کروں جو بیاں
کیوں نہ مشہور ہوں میں سیف زباں

واقعی باوقار ہے یہ تیغ
ثانی ذوالفقار ہے یہ تیغ

کاٹ کا وصف شمہ ہو نہ رقم
کیا ہی ہو جو کوئی تیز قلم

کبھی ادھیا پڑے جو اس کا وار
کاٹے کوہ گراں کو مثل خیار

برق دم اس کو گر کوئی ٹھہرائے (ق)
شمع کی طرح سے زباں جل جائے

برق ..... ہے یہ قعر زمیں
کہیں اس تیغ کی پناہ نہیں

ہے خمیر اس کا قہر یزدانی
نہ خراسانی نہ صفاہانی

کہو اس کو نہ آئینہ کیوں کر
نظر آتی ہے صاف شکل ظفر

راست بازوں کے واسطے سیدھی
بہر کج رو فقط ہے اس میں کجی

ہفت کشور کو کر لیا تسخیر
نام اس تیغ کا ہے عالمگیر

کاٹ یا قدرت الٰہی ہے
زرہ سخت دام ماہی ہے

خود دشمن پہ ماریں گر اس کو
ہندیانے کی طرح کر دے دو

کٹنے میں غیر کی نہیں محتاج
کوئی دبائے سو یہ خلاف مزاج

قبضہ تھامے جو شاہ نام آور
پھیلا ہاتھ چوم لے پھر کر

نہیں زنہار احتیاج فساں
صورت برق خود بخود براں

جوہر اس میں ہیں گرچہ سرتاسر
سب سے بالا ہے کاٹ کا جوہر

ایک تو ہے برش کا اس میں ضمیر
دوسرے دست شاہ کی تاثیر

ذرہ یہ اپنی گر چمک دکھلائے
برق داماں ابر میں چھپ جائے

در مدح فیل سواری بادشاہ خلد اللہ ملکہٗ

جیسے ہاتھی ہیں فیل خانے میں
ان کے ثانی نہیں زمانے میں

ہے جو فیل آپ کی سواری کا
رفعت اُس کی ہے کوہ سے بھی سوا

مارے کوہ گراں کو گر ٹکر
ہوئے چکی کی شکل اُسے جگر

پاؤں اپنا رکھے دھمک کے اگر
سر گائے زمیں کو ہوئے خبر

پاؤں ہلکا رکھے جو وہ پر زور   تاج آرام مجھے اس کو مور
وقت دشمن کشی کے سخت دلیر   کوہ پیکر ہے وہ تو کالا شیر
سر اُٹھائے اگر وہ سوئے فلک
اُس کے چبھ جائے چرخ سے مستک

در وصف دندان فیل

زیر خرطوم اُس کے ہیں دندان   یا کہ ابر سیہ میں برق جہاں
ایک تشبیہہ سوجھی ہے یہ مجھے   قرب سوسن ہیں پھول شبّو کے
زنگی مستک کا وصف کیا ہو بیاں   صاف نکلی ہے آسماں پہ کماں
ایسا بے ڈر کبھی نہ منھ موڑے
سر پہ گر کوئی چرخیاں چھوڑے

در وصف عماری

جب عماری زری کسی جائے   تب یہ تشبیہہ سب کے ہاتھ آئے
کہیں سب اس طرح سے نیک نہاد   خیمۂ زر ہے طور پر استاد

در وصف ہودج

اس پہ ہودج کو لائیں جب کس کے   کہیں آپس میں تب یہ چھوٹے بڑے
اس کی تشبیہہ واقعی ہے یہی   نظر آتی ہے عرش پر کرسی
جل زربفت کا ہے یہ عالم   رات دن جس طرح سے ہوں باہم
نہیں پاؤں میں سونے کی زنجیر
شب یلدا ہے چاندنی میں اسیر

در وصف تان جان

تان جان آپ کی سواری کا   پہلا زینہ ہے فضل باری کا
اور کس چیز سے میں نسبت دوں   ہاں سلیماں کا تخت اس کو کہوں
طارم عز و جاہ ہے بیشک   ہے ہوا دار شل بام فلک

تکیہ گاہ ظفر ہے وہ باللہ ٹپ ہے یا سائبان فضل اللہ
جب بہ حشمت فراز تخت رواں جلوہ گر ہوتے ہیں خدیو زماں

کہتے ہیں کہ پیادے گاہ اسوار
دوش اقبال پر ہیں شاہ سوار

دعائیہ بادشاہ خلد اللہ ملکہ بتوسل چہاردہ معصوم علیہم الصلوٰۃ

کرنہ اب مدح شاہ عرش سریر آگے گستاخیاں ہیں اے دلگیر
سچ ہے مدح خدیو عصر کہاں اور ناداں کہاں یہ تیری زباں
اب دعائیہ چند کہہ اشعار کہ دعا گوؤں کا دعا ہے شعار
جب تلک ہے یہ گنبد افلاک اور مبسوط ہے یہ بستر خاک
شہ سلامت رہیں بجاہ و حشم رہے اقبال و جاہ زیر قدم
یا الٰہی خزانۂ عالی روز شہ بانٹیں اور نہ ہو خالی
ہو نصیب خدیو نام آور عمر خضر اور جاہ اسکندر
رہے تا حشر سایۂ باری سکۂ بادشاہ رہے جاری
مہر جاہ و حشم رہے تاباں رہے انجم سپاہ شاہ جہاں
اور شہ پائیں اس قدر دینار کہ ستاروں پہ ہو سکے نہ شمار
سائۂ شاہ میں بعیش و طرب شاہزادے رہیں سلامت سب
شاہ دیکھیں کو انسیوں کی اولاد اور پروتوں کے بیاہ بادل شاد
روز شادی کے جوڑے ہوں تقسیم جھولیوں پائیں سب گدا زر و سیم
سایۂ افضال ایزدی کا سدا سر شہ پر ہو مثل ظل ہما
کرم و فضل احمد مختار رہے شاہ زماں پہ لیل و نہار
صدقہ مشکل کشائے دوراں کا کوئی مشکل نہ شہ کو ہو اصلا
شاہ ہیں عاشق امام حسینؑ ہو طفیل بتول ہر دم چین
حسنؑ سبز پوش کا صدقہ نخل اقبال شہ ہو سبز سدا
یا خدا بہر حضرت شبیرؑ تابع حکم شاہ ہو تقدیر
یا خدا بہر عابد رنجور درد بادشاہ کا شتاب ہو دور
لطف سجاد شاہ کا طبیب تندرستی رہے ہمیشہ نصیب

بہرِ باقر امام عرش نشیں　　ہفت کشور ہوں شہ کے زیرِ نگیں
بہرِ جعفر شہنشہِ نامی　　جعفری دیں کے شہ رہیں حامی
یا خدا بہرِ حضرتِ کاظم　　ربع مسکوں کے شہ رہیں ناظم
یا الہٰی بحقِ شاہ رضا　　یعنی صدقہ امام ہشتم کا
شاہ ابوالفتح کے بنیں سب کام　　آٹھوں وقت آپ کو رہے آرام
بہر حضرت تقی سبطِ رسولؐ　　شہ کا تقوا خدا کو ہو مقبول
بہر حضرت نقی شاہِ دہم　　چشم اقبال کی ہوں شہ مردم
از پے عسکریِ نیک نہاد　　عسکر شاہ نجم سے ہو زیاد
یا خدا بہر مہدی ہادی　　رہے اس سلطنت کی آبادی
جب تلک ہو امام دیں کا خروج　　دمبدم ہو زیادہ شہ کا عروج

ظلِ عباس شہ پہ ہو ہر دم
رہے دائم لوائے اوجِ علم

در دعائے حسین آباد

تا قیامت بفضلِ ربِّ عباد　　رہے آبادی حسین آباد
آج کے دن سے تا سنین الوف　　مجلس تعزیت نہ ہو موقوف
رہے کثرت امام باڑے میں　　آئے خلقت امام باڑے میں
حشر تک زیرِ منبرِ شبیرؑ　　ہو دعا بہر شاہ کشور گیر
یا خدا دشمنِ حسین آباد　　نہ رہے اس جہاں میں بادلِ شاد
ہوا طیار یہ مکاں جب سے　　خلق مصروفِ وصف ہے تب سے
جس کی تعریف کا نہ ہو پایاں　　کرے کس طرح کوئی اس کا بیاں
اُس سے بہتر کسی کو گر سمجھے　　شاعر اُس سے ہی اس کو نسبت دے
نسبت اس کی کسی سے کیونکر ہو　　جو کہ ہر ایک سے ہی بہتر ہو
سب سے بہتر ہے گو بہشت بریں　　بہتر اس سے مگر بہشت نہیں
کہئے گر رشکِ گلشنِ شداد　　اُس کا بانی تھا بانیٔ بیداد
اس کا بانی ہے عادلِ دوراں　　نسبت اس باغ سے ارم کو کہاں
ہوا رتبہ ارم کا اس سے سوا　　وہ مکاں ہو گیا پسندِ خدا

اس مکاں کا نہ کیوں ہو رتبہ بلند　　کیا نورِ خدا نے اس کو پسند
یعنی نورِ خدا امام حسینؑ　　عرش نے پائی جس سے زینت دیں
برتری میں ہے یہ پسندِ حسین　　صفت رتبہ بلند حسینؑ
سب ہیں واقف کہ ہے جنابِ خدا　　آپ مداح سید الشہدا
جس کو شبیرؑ نے پسند کیا　　وہ مکان ہو چکا پسندِ خدا

بجز اس کے ہے اور وصف فضول
ہے خدا و امام کا مقبول

سببِ تالیف

وصف اس جا کا پیش اہلِ زباں　　ہے خریداری مہ کنعاں
جب بہ تقدیر ایزدِ غفار　　دیکھا یوسف نے مصر کا بازار
دیکھا حسن و جمال کو جس دم　　تب خریدار وہاں ہوئے باہم
جو بضاعت میں اپنی رکھتا تھا　　لایا وہ پیش کش برائے بہا
ایک ضعیفہ بھی اس دم آئی تھی　　سوت تھوڑا سا ساتھ لائی تھی
یہاں بھی جس کی جو بضاعت تھی　　صرف وصف امام باڑہ میں کی
کم بضاعت ہوں سب سے میں واللہ　　نہیں کچھ فنِ شعر سے آگاہ
بلکہ یہ جانتے ہیں دشمن و دوست　　فکر ہر کس بقدرِ ہمت اوست
حسب مقدور لے کے نقد بہا　　میں خریداروں میں شریک ہوا
وصف بازار و نہر و حوض و مکاں　　کر چکے ہیں تمام اہلِ زباں
عربی میں کیا عرب نے رقم　　لکھ چکے فارسی میں اہلِ عجم
کیا بجا کھا ہیں ہندیوں نے بیاں　　ترکی نغمہ لائے اہلِ ترکستاں
جو زباں اپنی جو کہ رکھتا تھا　　اس نے بس اس زباں میں وصف کیا
جو ہیں اُردو زبان سے آگاہ　　نظم ان کی ہے میری خاطر خواہ
کسی نے کی ہے مثنوی موزوں　　کی بہت چست بندشِ مضموں

کہی تعریف میں کسی نے غزل
جس کا ہے خوب آخر و اول

کوئی شاعر قصیدہ کہہ لایا
ہر بسر زور طبع دکھلایا

ایک مصروف ہوا مخمس میں
ایک نے کی ثنا مسدس میں

کر کے حد ثنا سے قطع نظر
قطعہ کہہ لایا کوئی نیک سیر

اختصار سخن ہے جن کا شعار
کہہ لائے رباعیاں دو چار

ایک کی طرز یہ ہوا مرغوب
کہا ترجیع بند اس نے خوب

ایک مطلع فقط کسی نے کہا
مطلع مہر میں ضیا سے سوا

ہیں کبیشر جو واقف اس فن سے
لائے وہ دوہرے کبت کہہ کے

نثر میں کر کے مدح قصر امام
رکھا روشن کلام ایک نے نام

ہیں جو اس وقت میں سب اہل زباں
شامل ان کے ہے نام ہیچمداں

یہی مطلب ہے اور یہی ہے مراد
جو کہ ہیں واصف حسین آباد

ان کے شامل ہو نام میرا بھی
پہونچے شہ تک کلام میرا بھی

مجھ کو منظور بس یہ امر ہوا
کروں ایک شمہ وصف برج طلا

جا بجا برج کا جو ذکر ہوا
نام میرا بلند فکر ہوا

نہیں اس نظم سے یہ میرا مآل
کہ میں دکھلاؤں شاعری کا کمال

عرض میں کر چکا ہوں پیش ازیں
کہ مجھے شاعری میں دخل نہیں

کرتا ہوں میں گواہ خالق کو
ہوئے اس نظم کے ہیں باعث دو

میں ہوں مداح سیدالشہدا
اور یہ ہے مکان مولا کا

صدق دل سے مکیں کا واصف ہوں
پھر نہ کیوں کر مکاں کا وصف کروں

دوسرا ہے یہ اور عمدہ سبب
حال دل میرا جانتا ہے رب

کہ دعا بہر بادشاہ زماں
ہے شب و روز میرے ورد زباں

خانہ زادوں پہ حاضر و غائب
ہے دعا بہر بادشہ واجب

نظم میں کی جو شہ کو میں نے دعا
رہے گا تا بہ حشر نام میرا

ہے میرا بادشاہ بحر کرم
موجزن جو ہے فیض ہے ہر دم

آ گئے گر پسند یہ اشعار
پھر ہے واللہ میرا بیڑا پار

ہو گا مشہور پھر تو چار طرف
نام اس مثنوی کا برج شرف

در وصف برج طلا

کھلے رفعت کا برج کے کیا حال
وہاں پہنچتی نہیں کمند خیال

اس سے آگاہ سب زمانہ ہے
اس پہ عنقا کا آشیانہ ہے

رتبہ گنبد کا کیا بلند ہوا
طائر سدرہ کے پسند ہوا

سائے میں آئے ہیں ملک و فلک
ہے نشیمن ہما کا یہاں بے شک

کیا ہی تابندگی ہے نام خدا
مہر چار آنکھ کر نہیں سکتا

اس کی رفعت کو دیکھ کر یکبار
آسماں اپنی تھام لے دستار

نور حق سے بنا ہے بس وہ مکاں
مہر و مہ دو ہیں اس کے روشندان

قبۂ نور حق ہے سرتا پا
نہیں بضیائے مہر میں یہ ضیا

سر بلند ایسا کوہ طور نہیں
شمۂ مہر میں یہ نور نہیں

حشر تک اب سے گر اڑے واللہ
نہ ہما پہنچے نہ حمام نگاہ

صاف ہے صنعت خدا سازی
نور خالق نے کی جلا سازی

سقف پر برج ہے کہ طور پہ نور
چرخ پر مہر ہے کہ نور پہ نور

جب چڑھے بہر نصب کاریگر
برج خورشید آیا صاف نظر

نظر آئی فرشتوں کی پرواز
ان کے اڑ اڑ کے سنی آواز

مہر اور ماہ چرخ پر الحق
سونے اور روپے کے ہیں دونوں ورق

ہے جو درپیش وصف برج طلا
ورق نقرہ کا ذکر ہے کیا

ورق آفتاب حل کر کے
ہاں ولا وصف برج کا لکھ لے

نور خالق سے برج کا ہے خمیر
سورۂ شمس کر فقط تحریر

گرد طغرا کی ہے نوشت ضرور
لکھ دی چاروں طرف دعائے نور

بن چکی جب عمارت عالی
تھی فقط برج کی جگہ خالی

حسب ارشاد شاہ والا قدر
چھت ہوئی اس مکاں کی مطلع بدر

یوں لگے کہنے ساکنان شہر
آج برج شرف میں آیا مہر

نصب ہیں اور چھوٹے برج جو وہاں
ان سے ہے اور ہی قرینہ عیاں

یہی آپس میں کہتے مردم ہیں — ایک مہتاب باقی انجم ہیں
یہ عزا خانۂ امام ہدا — روضۂ خاص سے مشابہ تھا
نصب برج طلا سے اب تو ضریح — ہوا ماتم کدہ بشکل ضریح
برج جس روز سے ہے نصب ہوا — اور نقشا ہے اس عمارت کا
کہ عزا خانۂ شہ ابرار — ہو گیا ہے ضریح گنبد دار
نہیں دستار برج اس کی عدیل — ہے یہ پُر زر فرشتوں کی مندیل
نہیں سونے کا اس پہ پانی ہے — بارش نور جاودانی ہے
بولے سب جب یہ برج نصب کیا — حق نے مرکز پر اب قرار لیا
...... کلیم کا روضہ — کہنا لازم ہے اس کو طور طلا
برج عالی میں ہیں جو تیس پہل — اس کا پہلو بھی خوب آیا شکل
مہر سے ہے شبیہ برج ضرور — تیس دن اس میں ہے برابر نور
ہیں جو گنبد کے تیس حصے کئے — وجہ معقول اور سوجھی مجھے
اس کا روضہ ہے تھا جو شاہ عرب — مصحف ناطق اس کو کہتے ہیں سب
یعنی سیپارہ ہے کلام خدا — ہے جدا بھی ولے نہیں ہے جدا
سچ ہے تیسوں کلام کی توقیر — ایک سی ہے بربِّ حیّ قدیر
تیس واجب جو روزے سب پر ہیں — قدر و توقیر میں برابر ہیں
یوں ہی جو تیس حصے برج کے ہیں — نور اور منزلت میں ایک سے ہیں
نصب جب سے ہوا یہ برج دیں — کہتے آپس میں ہیں سب اہل زمیں
دوسرا آگے دیکھو خورشید — نکلے ہیں آسماں پہ دو خورشید
ایک ہوتا غروب ہے سر شام — ایک نہیں جانتا غروب کا نام
مہر سے نیر برج بہتر ہے — رات دن قدر میں برابر ہے
مہر سے کس طرح وہ خوب نہ ہو — کہ کسی وقت جو غروب نہ ہو

پہونچا تا عرش جب اس کا کلس
آئی آواز غیب سے بس بس

در ذکر اہتمام محمد عظیم اللہ خان بہادر

مہتمم اس امام باڑے کا — جان اور مال سے ہے شہ پہ فدا
کون ایسا ہے خانہ زاد قدیم — تب تو سونپا یہ شہ نے امر عظیم
ہے محمد علی جو شاہ کا نام — صاحبو راست ہے یہ میرا کلام
عشق سلطان عصر میں بخدا — ہے یہ ثانی بلال و قنبر کا
جو کہ حضرت نے حکم فرمایا — شہ کے دلخواہ یہ بجا لایا
جان سے ہے نثار جان حضور — اور بخوبی مزاج دان حضور
بخدا دوسرا نہیں ایسا — مورد لطف شاہ صبح و مسا
وحدہ لاشریک آگہ ہے — یعنی یکتا یہ خادم شہ ہے
بس ہے آٹھوں پہر اسی کا خیال — ہو نہ کچھ شہ کے دشمنوں کو ملال
جانتے ہیں یہ شاہ عرش پناہ — بے ریا ہے ہمارا دولت خواہ
گو کہ ہے سارے خانہ زادوں پر — شاہ والا کی پرورش کی نظر
لیک کھاتا ہوں میں خدا کی قسم — ایسا فضل و کرم ہے اور یہ کم
جو ہوا حکم شاہ عرش وقار — حکم کی دیر تھی کہ تھا تیار
نہر کے واسطے جو حکم ہوا — تب محرم کو کتنا عرصہ تھا
اس سے آگاہ غافل و جاہل — حکم و اقبال شاہ ہے شامل
بخدا کہتی یہ خدائی ہے — سرسوں ہاتھوں پہ یہ جمائی ہے
یک زباں زائر حسین آباد — کہتے ہیں اس طرح برب عباد
جلوۂ زینت خدیو زماں — مہتمم کا ہے یہ سلیقہ عیاں
ہر گھڑی بس یہی ہے میری دعا — شہ سلامت رہیں بفضل خدا
مہتمم زیر سایۂ سلطاں — رہے آٹھوں پہر بامن و اماں
ختم کر اب یہ نظم اے دلگیر — بندہ پرور ہیں شاہ عرش سریر
کیا تو نے ہے وصف برج طلا — زر سرخ اس کا پائے گا تو صلا
کر چکا میں جو وصف برج رقم — فکر تاریخ مجھ کو تھی ہر دم

بولا دل دیکھ کر یہ زینت و زیں
اے زہے گنبد ضریح حسینؑ
١٢٥٥ ہجری

قطعہ تاریخ

جب یہ تاریخ فارسی میں کہی — دل میں میرے خیال آیا یہی
اس کی ہندی میں ایک ہو تاریخ — مثنوی برج کی ہو جو تاریخ
ہو گیا دام فکر میں میں اسیر — آئی آواز غیب اے دلگیر

لکھ دے اس برج کے تو چار طرف
واہ کیا برج زر ہے برج شرف
۱۲۵۵ ہجری

مثنوی در وصف بازار حسین آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کا نام ہے اعلیٰ و برتر — عجب شان اس کی ہے اللہ اکبر
اسی کے نور کا جلوہ ہے باطل — اسی کا ہے یہ سب جاہ و تجمل
اسی کے نور سے ہیں مہر اور ماہ — غرض کیا نور ہے اللہ اللہ
اسی کو ہے جہاں کی بادشاہی — وہی جلوہ ہے ماہ سے تا بہ ماہی
اسی کے نور سے روشن حرم ہے — اسی کے سجدے کو ہر چرخ خم ہے

در نعت و منقبت

عیاں اس نے کیا نور نبی کو — کیا تابندہ نور احمدی کو
محمد کو یہ بخشا تھا تجمل — سواری میں ملک حاضر تھے بالکل
عیاں عالم پہ ہے شان محمد — کہ تھے میکال دربان محمد
علی تو فرع تھے اور مصطفےٰ اصل — وصی احمد کے حیدر تھے بلا فصل
نبی پر ختم کی حق نے رسالت — علی پر ختم حق نے کی ولایت

علی کونین کا مشکل کشا ہے
وصی احمد و شیر خدا ہے

در مدح جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا[۱]

کہوں زہرا کی عزت میں کہ کیا ہے
نبی نے بضعۃ منی کہا ہے

سخی کی زوجہ اور بیٹی سخی کی
وہ ماں ہے خلق میں گیارہ ولی کی

وہ ہے بے شبہ خاتون قیامت
کہ قائم اس سے ہے نسل امامت

خدا نے رجس سے ان کو کیا دور
محمد سے محمد تک ہے ایک نور

نہیں کچھ فرق امامت میں ہے اصلا
اگر ہے فرق تو چھوٹے بڑے کا

نہ حق ان سے نہ وہ حق سے جدا ہیں
غرض وہ سب کے سب نور خدا ہیں

نہیں دینداروں کو شک اس میں زنہار
خدا کے گھر کے چودہ تن ہیں مختار

بحار علم ہیں اور مخزن حق
عدو ان کا ہے بے شک دشمن حق[۲]

در مدح سلطان

کروں تھوڑی سی اب تعریف خاقان
لکھوں ایک شمہ میں توصیف خاقان

ابو الفتح معین الدین لقب ہے
حسب عالی ہے اور برتر نسب ہے

یہ ہے حاجت روا ہر حیدری کا
یہ حامی ہے طریق جعفری کا

وظیفہ سارے عالم کا یہی ہے
سخی ہے خسرو عالم سخی ہے

سخاوت کی ہے دم اور شام تک دھوم
نہیں شہ کے کرم سے کوئی محروم

بسان مرتضیٰ یہ بالسخی ہے
یہاں نسبت بھلا حاتم کو کیا ہے

سدا منظور ہے خلقت کا آرام
سوا راحت رسانی کے نہیں کام

---

[۱] نام فاطمہ، مشہور ترین لقب زہرا۔ آپ پیغمبر اسلام کی چہیتی بیٹی تھیں۔ آپ کی ولادت ۲۰ جمادی الثانی کو بعثت کے پانچویں سال یعنی ہجرت کے آٹھ برس قبل ہوئی۔ رسول اللہ آپ کی اتنی عزت کرتے تھے کہ جب وہ آپ کے پاس آتی تھیں تو آپ تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے (ابن ہشام جلد اول صفحہ [illegible]) اور کثرت حدیثیں آپ نے ان کی فضیلت کے بارے میں ارشاد کیں جن میں چند یہ ہیں:۔
وہ سردار زنان جنت اور سردار زنان اہل ایمان ہیں (صحیح بخاری جز ۲ صفحہ ۱۸۵—۱۸۹، صحیح مسلم جز ۲ صفحہ ۲۹۰)
فاطمۃ بضعۃ منی (یعنی) فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۸۵—۱۸۹)

[۲] مشہور حدیث ہے کہ فاطمہ کی رضا سے اللہ راضی ہوتا ہے اور آپ کی ناراضگی سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

یہ ہے اعجاز یا بخشش ہے آیا　　کیا جو قصد سایل نے وہ پایا
شجاعت آشکارا شاہ کی ہے　　عنایت یہ فقط اللہ کی ہے
کبھی غصہ اگر حضرت کو آجائے　　عدو ہو شیر تو جیتا پکڑ آئے
مٹائی شاہ نے بنیاد ہر دیر　　نہیں آگاہ ہے شر سے بجز خیر
عزا خانے ہوئے تھے جو پرانے　　نیا سب کو کیا اس بادشاہ نے
مرمت کی پرانی مسجدوں کی　　نہیں خالی جماعت سے ہے کوئی
شفا خانے میں ہے یہ حکم سرکار　　دوا للہ پائیں سارے بیمار
غذا سب کی بہ تجویز اطبا　　رہے سرکار عالی سے مہیا
معین ہیں بہت فصاد ہشیار　　دوائیں سارے عالم کی ہیں طیار
جو ہیں کحال اپنے فن کے یکتا　　انھیں ہے حکم ہو یکجا بادشاہ کا
دوائی قیمتی سرکار سے لو　　مناسب جو دوا جس کی ہو وہ دو
یہی نیت میں ہے اس باسخا کی　　رہے راحت سے سب خلقت خدا کی
سدا ہر طور کی جاری ہے خیرات　　زر و خلعت کی ہے تقسیم دن رات
نہ ہے ظالم نہ ہے مظلوم کوئی　　نہیں ہے فیض سے محروم کوئی
زہے عدل و زہے عہد شہنشاہ　　نہیں ہے ظلم سے کوئی بھی آگاہ
نہیں چوری کا ڈر ہے سب کو اصلا　　کھلا رہتا ہے دروازہ ہر ایک کا
اگر سونا بھی رستے میں پڑا ہو　　یہ کیا طاقت اٹھائے کوئی اسکو
غرض ہے حکم سلطان زمانہ　　اٹھا سکتی نہیں چڑیا بھی دانہ
رہا ہے سربسر خلقت کو آرام　　نہیں مفسد کا ہرگز شہر میں نام
یہ ہے انصاف خاقان زماں کا　　کہ بھولے عدل سب نوشیرواں کا [1]
سدا ارکان دولت پر ہے تاکید　　کہ مفسد پر رہے ہر لحظہ تہدید
یہ ہے منظور شاہ دادگستر　　نہ ظلم و جبر ہو ہرگز کسی پر

---

[1] نوشیرواں کیقباد بادشاہ فارس کے بیٹے تھے ۵۳۱ء میں ملک تاج و تخت پر بیٹھے اور بغداد پایۂ تخت مقرر کیا۔ نہایت عادل منصف بادشاہ تھے ان کا انصاف ابھی تک ضرب المثل ہے اور تاریخ میں نوشیروان عادل کے نام سے مشہور ہیں۔ ۴۸ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۷۹ء میں انتقال کیا (مفتاح التواریخ ص ۵ و ڈیل بیگر انگلش ڈکشنری ص ۴۰۰) پیغمبر اسلام کی ولادت نوشیرواں عادل کے آخر زمانے میں ۵۷۰ء میں ہوئی آپ فخریہ فرماتے تھے کہ "ولدت فی زمن الملک العادل"۔

دعا کرتی ہے ہر دم ساری خلقت — رہے یہ شاہ محشر تک سلامت
قیامت تک بفضل رب باری — رہے بحر سخا و عدل جاری
رہے معمور محشر تک خزانہ — زر نقد اس سے پائے سب زمانہ
غنی لاکھوں ہوئے خلقت ہے آگاہ — حسین آباد کے صدقے سے واللہ
وہاں کا ہے وہ عالی کارخانہ — کہ فیض اندوز ہے سارا زمانہ
معین آٹھویں دن کی ہے محفل — ہر ایک کو اس سے ہے ایک فیض حاصل
خدا کے فضل سے رہتی ہے کثرت — سدا مجلس میں ہے ایک جوش رقت
جو ذاکر خوب ہیں سارے جہاں کے — بحکم شہ ہیں خوانندے وہاں کے
ولا ہے سبط احمد سے زیادہ — ذکر عزت کیونکہ ہو بہت زیادہ
ہوا ہے شاہ کا یوں حکم صادر — کہ سب ارکان ہوں مجلس میں حاضر
ہے سب شہزادوں کو بھی حکم پہونچا — کہ آئیں وقت پر مجلس میں اس جا
بہم رہتی ہے وہاں ہر روز خلقت — سدا ہوتی ہے فیض اندوز خلقت
بفرمان شہنشاہ زمانہ — ہوئی ہے وہاں بنائے پنج گانہ
ملائک کی جماعت ہے وہ مرغوب — حقیقت میں جماعت ہے بہت خوب
غرض ماہ صیام آیا جو امسال — ہوا یوں حکم سلطان خوش اقبال
عزاخانے میں ہو سب جمع خلقت — کرے ہر ایک قرآن کی تلاوت
وہ قاری جن کا کم ہے کوئی ثانی — پہر بھر کرتے ہیں قرآن خوانی
کیا کرتے تھے قرأت سب خوش الحان — ہر ایک کا شغل تھا تصحیح قرآن
مہینے بھر بفرمان شہنشاہ — عجب جلسہ رہا اللہ اکبر
ہوا تھا حکم شہزادوں کو شہ کا — شریک جلسہ سب ہوتے تھے اس جا
سروں پر رکھ کے قرآن سارے مومن — دعائیں شاہ کو کرتے تھے ہر دن
طفیل پنجتن باعزت و جاہ — رہے یا رب سلامت یہ شہنشاہ
ہزاروں روزے وہاں کرتے تھے افطار — نہ خالی فیض سے تھا کوئی زنہار
ہوا اونتیسویں کو ختم قرآن — ہوئے تب منتفع لاکھوں مسلمان
ہزاروں خوان شیرینی کے آئے — بہت اشخاص نے خلعت بھی پائے
ہوئی تقسیم شیرینی کئی دن — کہ ہے رطب اللساں ہر ایک مومن
ہوا ہر ایک کا حصہ برابر — غریبوں نے بھی پائے خوان بھر بھر

ہوا یہ امر پھر حضرت کو منظور
نماز عید کا ہے کہنہ دستور

بنائے مسجد جامع کی جس جا
نماز عید کا اس جا ہو جلسا

عظیم اللہ خاں کو حکم پہونچا
نماز عید کی جمعیت ہو اس جا

غرض مسجد جہاں ہوتی ہے طیار
فلک تک تھا وہاں مٹی کا انبار

ہوا طیار پھر ایک صفّہ اس جا
کہ عرض و طول اس کا میں کہوں کیا

کبھی مشرق سے گر مغرب تک جائے
تو پھر یک نگاہ خلق تھک جائے

وہاں شاہ زماں کے حسب ارشاد
ہوا ایک خیمہ عالی پھر استاد

کہوں رفعت میں اس خیمے کی کیا کیا
کلس جو تھے فلک پر اس کا پہنچا

گماں خورشید کا جو سب کو بس ہے
اُسی خیمے کا گویا یہ کلس ہے

بلندی اس قدر اس خیمے کی ہے
سپہر اس کے تلے ایک راوٹی ہے

بیاں کرتے تھے باہم خلق انبوہ
نہیں اس کو پہنچتی رفعت کوہ

جو دیکھا خیمے کے میخوں کا عالم
بڑی تشویش تھی یہ سب کو اس دم

ہوا پھر دیر میں یوں سب پہ ثابت
کہ یہ پر نور ہیں سارے ثوابت

وہ دو چوبیں جو تھیں خیمے کے اندر
وہ تھیں قطبین کی صورت منوّر

بہ تشبیہ ایک ہاتھ آئی سر دست
کہ اس خیمے سے گردوں ہو گیا پست

نہ کیوں اس خیمے کو ہو سرفرازی
کہ جس میں جمع ہوں اتنے نمازی

ہوئے استاد آگے شامیانے
جنھیں بخشی تھی یہ وسعت خدا نے

فرشتوں کا اگر انبوہ آئے
تو اس کے ایک گوشے میں سمائے

بچھایا فرش اس میں ایسا شفاف
کہ دینداروں کے دل ہیں جس طرح صاف

وہ تھا فرش سفید ایسا منوّر
ہوئی تھی چاندنی قربان آکر

ہر ایک کہتا تھا کیا ہی روشنی ہے
عجب یہ ہے کہ دن کو چاندنی ہے

ہوئی آفاق میں جس دم شب عید
تو یوں تھے مہتمم کی سب پہ تاکید

ہزاروں ظرف ہوں پانی کے معمور
قریب خیمہ ہوں مطلق نہ ہوں دور

ہوئیں جمع آگے لاکھوں سجدہ گاہیں
منور جس سے ہو جائیں نگاہیں

ہوا چھڑکاؤ کو پھر حکم ہر جا
بہایا سقوں نے پانی کا دریا

جز اس دل کے جسے ہے بغض اسلام
غبار گرد کا مطلق نہ تھا نام

در توصیف سواری ولی عہد بہادر

ہوا عزم سواری ولی عہد
قریب آئی عماری ولی عہد

امیروں کو ہوا حکم شہنشاہ
کہ جلدی جائیں اسواری کے ہمراہ

عماری بھی مغرق پالکی بھی
ہر ایک شہزادے کو حضرت نے بخشی

کمر میں تھی وہ تیغ اصفہانی
نہیں تلوار کوئی جس کی ثانی

جو دیکھیں پر تلا بولیں خردمند
ظفر پابند تیغش سخت پیوند

چمک اس تاج کی گردوں تک جائے
یکایک آنکھ بجلی کی جھپک جائے

قریں ہاتھی کے روشن چوکی والے
قبائیں پہنے اور اوڑھے دوشالے

عجب اس وقت لگتے تھے سہانے
مبارکباد الیتا میں بجانے

تھے سب شہزادے دہنے اور بائیں
خوشی لیتی تھی ہر ایک کی بلائیں

تھا ہر ایک شاہزادہ باندھے مندیل[1]
منور صورت مندیل جبرئیل

جنھیں خلعت دئے تھے بادشہ نے
اسی صورت سے وہ خلعت تھے پہنے

کوئی چیرے[2] پہ باندھے گوشوارا
مشابہ طور تھا دولھا سے سارا

وہی پہنے تھے سب شاد و فرحناک
جو کچھ ہوتی ہے شہزادوں کی پوشاک

مغرق تھا کسی پگڑی کا سرپیچ
اور اس پر باندھی کلغی اور سرپیچ

پھر ان کے بعد سب ارکان دولت
عیاں چہروں سے سب کے شان دولت

قبا زربفت کی پہنے تھا کوئی
کسی کے بر میں اطلس کی قبا تھی

کوئی کمخواب کا پہنے لبادا
سمور اس پر ٹکا حد سے زیادہ

کسی کا طور تھا سب سے نرالا
کہ پہنے جامہ اور اوڑھے دوشالہ

بہت باندھے ہوئے تھے شال پٹکے
غرض دونوں سرے پٹکے کے لٹکے

جو درباری تھے ان کا تھا یہ عالم
کہ تھے حد سے زیادہ شاد و خورم

ہر ایک کے جسم میں جوڑا تھا ایسا
کہ جو انداز ہو درباریوں کا

کسی کے زیب سر تھا شالی پٹکا
کسی کے سر پہ زردوزی تھا شملا

---

[1] مندیل۔ رومال، دستار، پگڑی، پٹکا جو کمر میں باندھتے ہیں۔ (لغات کشوری صفحہ [illegible])

[2] چیرا۔ گیرا کے وزن پر ایک قسم کی دستار منقش کو کہتے ہیں۔ (سرمایۂ زبان اردو صفحہ ۱۰۹ جلال لکھنوی)

تھے دستار سفید اکثر کے سر پر
رکھے منقیش کا طرہ منور
کوئی باندھے تھا چیرا باندھنو کا
عمامہ کوئی باندھے کوئی دوپٹا
سواری دیکھنے اُلڈی تھی خلقت
در دولت سے تا مسجد تھی کثرت
در دولت سے یوں نکلی سواری
تو ہوکر شاد سب خلقت پکاری
دلی عمدائے خدا با جاہ و شوکت
رہے سائے میں حضرت کے سلامت
الٰہی بادشہ کو تو شفا دے
رہے قائم یہ شاہ اور شاہزادے
بیاں کرتا ہوں میں تھوڑا سا فی الحال
حسین آباد کے بازار کا حال
بنی ہیں کس قرینے سے دکانیں
کہوں کیا نور اور کیا ان کی شانیں

در وصف دکان نان پز

ہر ایک جائے دکان نان بائی
تو اس کی شان کیا ہی مجھ کو بھائی
چنی تھیں پھڑ پھڑاتی شیرمالیں
اگر پائیں فرشتے ان کو کھالیں
پلاؤ اور زردہ قابوں میں دھرا تھا
لگن میں ایک طرف حلوا بھرا تھا
ہر ایک اس نور کی ہے نان آبی
سفید ان میں جو دس ہیں سو گلابی
عجب جلوے کی باقرخانیاں تھیں
بسان قرص مہر و مہ عیاں تھیں
سلونے ہیں پراٹھے اور میٹھے
قرینے سے طبقچوں میں دھرے تھے
چپلے - دیگچی آگے دھرے تھے
ہر ایک اچھے دو پیازے بھرے تھے
بھرا شیدیگ سے کوئی پتیلا
کوئی تو کلّے پاؤں سے بھرا تھا
کباب اقسام کے ہر سو چنے تھے
دل عاشق کی صورت بھنے تھے
کسی جانب دھرے تھے مرغ بریاں
کہیں تھا حاضری کا سارا ساماں
نہاری کے لئے کوئی کھڑا تھا
کوئی اوجھی کا سالن مانگتا تھا
نشں تنکی کسی جانب دھری تھی
جلم ایک تاب میں تازی بھری تھی

در وصف دکان شیرینی فروش

غرض اس جا سے تھوڑی دور بڑھ کر
دکان نان بائی کے برابر
دکان ایسی کسی نے تھی لگائی
کہ تھی ہر طور کی اس میں مٹھائی

وہاں کی جو مٹھائی کھائے یکبار — تو بھولے روشن الدولہ کا بازار
دھرا ایک جا تھا حلوا سوہن ایسا — سوا وہاں کے کسی جاگہ نہ دیکھا
ذرا تکّی کا جوزی میں نہ تھا نام — برابر کے پڑے تھے اس میں بادام
وہ بیڑی جو فقط ہونٹوں سے ٹوٹے — ہو سو ٹکڑے اگر ہاتھوں سے چھوٹے
جو بے دنداں نے وہ بیڑی کھائی — اسی نے اس کی ہے لذت اُٹھائی
حبش کا جو کہ وہ حلوا ہے مشہور — کروں میں اس کی کیا لذت کا مذکور
بھلا اس کی ثنا کیا منہ سے نکلے — ملے جاتے ہیں دونوں ہونٹھ میرے
وہاں کی دودھیا کا کیا کروں ذکر — کہاں وہ اور کہاں میری بھلا فکر
کہوں میں کیا کہ خوشبو اس میں کیا ہے — جو کھائے وہ یہ سمجھے کیا مزا ہے
رکھے ایک سمت کو ہیں نقل بادام — ہو جس کی دید سے آنکھوں کو آرام
رکھی ہے ایک طرف کو لوزپستہ — رکھا ہے ایک طرف گاجر کا حلوا
رکھی ہیں کھٹیاں دکاں میں یکجا — کہ جس کے دیکھنے سے جائے صفرا
جو دیکھا در بہشت ایک جا دھری ہے — نزاکت سے لطافت سے بھری ہے
کہیں برفی کہیں پیڑوں کے ہیں خوان — خطائی کا کسی جانب ہے سامان
نہ پوچھو سادی پیٹھی کی لطافت — نہیں حلوائے مسقط میں یہ لذت

کسی جانب کو سیویوں کے ہیں خوان
کسی جا نقل کا رکھا ہے سامان

در ذکر دکان چینی فروش

کہیں چینی فروشوں کی دکاں ہے — دکاں میں چین کا سارا سماں ہے
دھرے اقسام کے ہیں ظرف چینی — ہے جن پر ختم رنگینی حسینی
اگر چھوٹا کبھی ہے کوئی پیالا — بتا ملتا ہے اس میں جام جم کا
کہیں صندوق جھاڑوں کے دھرے ہیں — ولایت کے کہیں صندوقچے ہیں
ہزاروں قد آدم آئینے ہیں — فریم ان کے مرصع سب بنے ہیں
کہیں ایسا دھرا ہے چینی کا سا — ہے طاس حور حضور اُس کی ذرا سا
ہے تصویروں سے زینت ہر طرف کی — وہ تصویریں ہیں شاہان سلف کی
ہیں مرد کہیں بھی اور لاکھوں گنوک ہیں — دو دانائی ہیں پہنچے ہیں رفل ہیں

در ذکر دکان بزاز

اگر بزاز کی کوئی دکاں ہے
تو اس پر نور کا عالم عیاں ہے
کہیں زربفت کا بقچہ کھلا ہے
کہیں ڈھیر اطلس و کمخواب کا ہے
کھڑے ہیں گلبدن کے سو خریدار
کہیں شبنم کی قیمت پر ہے تکرار
کوئی کہتا ہے لالہ یہاں تو دیکھو
مجھے سو تھان باہر لیٹ کے دو
کوئی کملیٹ کے لیتا ہے دس تھان
کوئی کہتا ہے دو تن زیب اس آن
کوئی دلال کہتا ہے یہی بس
کہ لالہ بیچو بوٹی دار اطلس
کوئی نینو کئی گز مانگتا ہے
کوئی ترچھا کوئی سیدھا کھڑا ہے
کوئی کہتا ہے دو وہ جامدانی
نہ جس کی وضع ہو مطلق پرانی
کوئی دلال یہ کہتا ہے آیا
کہ میں مشروع کا گاہک ہوں لایا
کوئی کہتا ہے دو دس گز مجھے ٹول
جو قیمت دی ہے وہ جانا نہ تم بھول
رضائی کی ہے کوئی فرد لیتا
کوئی بیعانہ ہے سلم کا دیتا
کوئی چھینٹوں کی گٹھری دیکھتا ہے
کوئی دارائی کا طالب کھڑا ہے
دکھا کر چھینٹ یہ کہتا ہے کوئی
کہ یہ چھاپی ہوئی اور نیس کی ہے
کوئی کہتا ہے ایک ململ مجھے دو
ولایت کا نہ سوت اس میں مگر ہو
کوئی بزاز سے کہتا ہے ہر بار
کہ مجھ کو نین سکھ اچھا ہے درکار
دکھا کر تھان وہ کہتا ہے یہ ہم
لطافت میں ہے خودنی سے کیا کم
گزینہ کوئی دکھلا کر یہ کہتا
کہ اس کپڑے میں عالم ہے ادھر کا
بہت بزاز کو ہیں یوں سناتے
ادھر سے کے نہیں اب تھان آئے
وہ کہتا ہے کئی بقچے بھرے ہیں
ہزاروں تھان آگے کے دھرے ہیں

غرض ایسا کوئی کپڑا نہیں ہے
کہ فضل حق سے جو اس جا نہیں ہے

در ذکر کناری فروش

کناری والے کی دکان ہے جس جا
وہاں انبار ہے تاس اور زری کا
تمامی کے دھرے ہیں سیکڑوں تھان
تمامی نور سے مملو ہے دکان

کسی بیٹی میں ہیں گوٹوں کے لچھے   کہیں لچکے دھرے ہیں اچھے اچھے
بنت کے سینکڑوں پنڈے ہیں طیار   کسی بیٹھی میں ہے جھالرکا انبار
کسی جانب سنہری اور روپہلے   بہت پنڈے دھرے ہیں گوکھرو کے
ہزاروں گز ہے بیگ اور کناری   ہزاروں ٹوپیاں ہیں بھاری بھاری
ہزاروں میں ہیں سو پٹکے زری کے   ہزاروں تھان ہیں اساوری کے
کسی بیٹی میں ہیں مینے کے پٹھے   بہت تیار ہیں برزر دوپٹے
کہیں ہیں پیشوازیں بھاری طیار   کھڑی ہیں کسبیاں ان کی خریدار
بہت طیار ہیں شملے کے لچکے
جوان و پیر بچوں کے سروں کے

در دکان پشمینہ

اور ایک جانب کو ہیں پشمینہ والے   طنابوں پر پڑے ہیں سو دوشالے
دوشالے یہ پئے زیب دکاں ہیں   رکھیں اندر ہزاروں بدریاں ہیں

در ذکر پنساری

دکانیں ہیں بہت پنساریوں کی   ہر ایک چیز ان میں ہے اچھی سی اچھی
قرابوں میں بھرا ہے مشک و عنبر   ختن ہوتا ہے صدقے ہر دکاں پر
جو آیا زعفراں کا ایک خریدار   دکاں کو صاف سمجھا زعفراں زار
کوئی چیز ایسے دوراں میں نہیں ہے   جو پنساری کی دکاں میں نہیں ہے

در ذکر دواساز

ہے جس جاگہ پہ دکان دواساز   نظر آیا وہاں کا اور انداز
عرق ہر طور کے شیشوں میں طیار   دوا ہر طور کی دکاں میں انبار
ہر ایک اکسیر کی بوٹی دوا ہے   ہر ایک معجون معجون شفا ہے
ہر ایک شربت میں ہے بہبود عالم   نہیں ہے شربت دینار سے کم
دکھائے راہ صحبت وہاں کا رستا
شفا اس جا کھڑی ہے دست بستہ

در بیان میوہ فروش

دکانیں میوے والوں کی ہیں ہر جا
ہے خشک و تر ہر ایک میوہ مہیا

انار و سیب ہیں افراط سے وہاں
فروشندہ ہے ہر ایک صاحب ایماں

کوئی ہے ناشپاتی کو چکاتا
کوئی انگور کے قطعے منگاتا

کوئی بادام و پستہ لے رہا ہے
کوئی قیمت بہی کی پوچھتا ہے

کوئی کہتا ہے کشمش دو مجھے تول
منقے کا ہے کوئی پوچھتا مول

کوئی اخروٹ کا گاہک کھڑا ہے
کوئی کہتا ہے خرما کیا بڑا ہے

کوئی تو دارمی کا ہے خریدار
کوئی خوبانیوں کا ہے طلب گار

کوئی ہے سبحۂ زیتون لایا
کوئی ہے مصر کی افیون لایا

در ذکر دکان کنجڑا

کبڑیوں کی دکانیں ہیں ہر ایک جا
ہر ایک سو ڈھیر ہے ترکاریوں کا

ہر ایک جانب کو ہے انبار شلغم
چقندر کا نہیں ڈھیر اس سے کچھ کم

کہیں ہیں اردیاں سیمیں کہیں ہیں
کدو بھی لطف سے خالی نہیں ہیں

کسی جانب کو رکھے ہیں کچالو
کہیں دھوئے ہوئے رکھے ہیں آلو

کہیں سویا کہیں پالک دھرا ہے
کہیں دھنیا نہایت ہی ہرا ہے

کہیں مولی کہیں گاجر کا ہے ڈھیر
ترازو میں نہیں ہے ایک کے پھیر

کبڑنیں بیٹھیاں ہیں سب طرحدار
دکانوں پر ہے انبوہ خریدار

ہر ایک ملبوس بدلے اور نہائے
گندھے سر ہاتھوں میں مہندی لگائے

یہ نتھ چوڑی سی ہر ایک کی پھبن ہے
کہ اپنی قوم کی تازہ دلہن ہے

در ذکر دکان سنگرہ[1]

کہیں بیٹھے ہیں دکانوں پہ سنگر
خریدار آئیں جن کے نام سن کر

---

[1] میوہ فروش کو کہتے ہیں۔ اب یہ لفظ متروک ہے۔

کہیں ایسے بڑے رکھے ہیں گولے　　خشر پر بار ہوں گر کوئی تولے
فروشندوں کے یہ ہر دم بیاں ہیں　　یہ فیض آباد کی نارنگیاں ہیں
جو کہتا ہے کوئی کم کچھ نہیں دو　　وہ کہتا ہے ہیں ایک آنے کی دو دو
شریفوں کے کھڑے ہیں سو خریدار　　وہ قیمت کرتا ہے ایک روپیے کے چار
یہ کہتے ہیں سمجھ کر کچھ کہو تم　　وہ کہتا ہے جو مہنگے ہوں نہ لو تم
خدا رکھے سلامت بادشاہ کو　　ابھی کل بیچے ہیں دس آنے کے دو
کہیں کیلے کے پھلیوں کا ہے انبار　　ہری گودھیں بھی اور پکے ہیں طیار
یہ کہہ کر بعضے سنکر بیچتے ہیں　　کہ یہ امرود دریا پار کے ہیں
کہیں ممتا بیاں رکھی بہت ہیں　　وہ کہتے ہیں کہ لو میٹھی بہت ہیں
کوئی ہے کاغذی لیموں چکھاتا　　کسی کو ہے کوئی میٹھے دکھاتا
کسی جانب کو پونڈے ہیں مسلم　　درازی میں ہر ایک دس گز سے کچھ کم

گنڈیری کوئی بیٹھا کر رہا ہے
کوئی بس زنگترے ہی بیچتا ہے

در وصف سلاح بازار

سلح بازار کا عالم کہوں کیا　　وہاں ہے موجزن لوہے کا دریا
خراسانی صفاہانی و ہندی　　ہے تلوار اس جگہ ہر ایک طرح کی
کوئی کہتا کسی کو دیکھ کر ہے　　کہ لے لیجئے یہ سلہٹ کی سپر ہے
قرولی کو چکاتا ہے کوئی شخص　　کٹاری کو دکھاتا ہے کوئی شخص
کوئی کہتا ہے لے لیجئے یہ اونا　　خراسانی ہے ہے کاٹ اس میں دونا
کوئی کہتا ہے آیا ہوں خریدار　　الیمانی اگر ہو کوئی تلوار
کوئی کہتا ہے کیوں کرتے ہو تکرار　　کسا کر لو جنوبی ہے یہ تلوار
کوئی کھینچے ہوئے تیغا کھڑا ہے　　کوئی ایک میوہ خوری بیچتا ہے
سروہی دیکھتا ہے کوئی آکر　　سر بازار بوتل پہ لگا کر

در وصف دکان بساطی

بساطی جو ہیں ان کا کیا کہوں حال　　ہر ایک کے ہاتھ میں اجلا ہے رومال

دکان پر گر کوئی گاہک بھی آتا — ہر ایک سے پوچھ کر ہے یہ دکھاتا
بہت جنبیر سنہری کام کے ہیں — بہت درجن دھرے بوتام کے ہیں
سرو تالے رہا ہے کوئی انسان — کوئی لیتا ہے کشمیری قلمدان
کھڑا کہتا ہے اس جا کوئی خوشخو — کہ بیچو کوئی گلگتے کا چاقو
کھڑا ہے کوئی ڈبیل کا خریدار — کوئی کہتا ہے دو ایک مجھ کو پرکار
کہیں مقراض کا گاہک کھڑا ہے — کوئی مونگے کے سمرن لے رہا ہے
کوئی لیتا ہے تنانہ کوئی سوزن — ہے سنیٹ لے رہا کوئی برہمن
رکھی ہیں ساری دوکانوں کے اندر — ہزاروں جانمازیں کھونٹیوں پر
کوئی کہتا ہے اس جانب کو دیکھو — مجھے ایک جے نگر کا گنجفہ دو
کھلونے لے رہا ہے طفل کوئی — کوئی لیتا ہے پھرکی کوئی بنگی

کوئی کہتا ہے مجھ کو سرمہ داں دو
کوئی کہتا ہے مجھ کو گوکیاں دو

در وصف دکان علاقہ بند

دکانوں پر بہت بیٹھے مسلمان — علاقہ کام سے ہے جن کو ہر آن
کہیں مقیش کی بنتی ہے جھالر — ہر ایک دکان پر گندھتا ہے زیور
کوئی تو گوندھتا چنپا کلی ہے — ہڑیں جوشن کی بنواتا کوئی ہے
کوئی دکھلا رہا ہے رومی دستہ — سنور جس کے کھلنے سے ہو رستہ
ہزاروں دستے ہیں جنگی کے طیار — سنہری اور روپہلی بند شلوار
علاقے بن رہے ہیں پالکی کے — کہیں تسبیحوں کے بنتے ہیں تھمسے

کہیں قیطون کا گاہک کھڑا ہے
کوئی ڈوری کا بنڈا لے رہا ہے

در ذکر دکان مربا و اچار

کہیں ہے اس دکاں سے زیب بازار — مربے اور اچار اس میں ہیں طیار
کسی جا ہے بجو مرکی اچاری — بسی مرچیں کبھی اس میں اور ساری
کسی جا گہ رہا ہے یوں خریدار — اچار اچھا دو مجھ کو چاشنی دار

بیاں کس منہ سے ہو بچھوے کا عالم — کہ تلخی نیش عقرب سے نہیں کم
کوئی کہتا ہے کیا لگتے ہیں پیارے — مصالح کے بھرے یہ آم سارے
اچاروں کی اگر قسمیں لکھوں سب — ہو اس میں اس کی گنجائش بھلا کب
اگر آجائے کوئی گاہک اس کا — کئی من سیب کا نکلے مربا
کہیں رکھی ہے چٹنی کی اچاری — عجب رنگت ہے اس کی پیاری پیاری
اگر چاہو تو دکان دار کے پاس — بہت نکلے مربائے انا الناس
مربا ہو اگر املی کا درکار
بہت سے اونٹ اور چھکڑوں پہ ہو بار

در ذکر دکان کاغذی

دکان کاغذی کا وصف کیا ہو — نہ سو جز پر رقم اس کی ثنا ہو
رکھے ہیں سیکڑوں کشمیری دستے — ہیں ایرانی وصلیوں کے لاکھوں بستے
نئی طیار ہیں لاکھوں ہی بہیاں — ہزاروں بند رکھے ہیں زرافشاں
ہزاروں اردلی کی گڈیاں ہیں — وہ دستے ہیں جو قیمت میں گراں ہیں
کوئی کہتا ہے جو قیمت کہو دوں — غلط بردار کاغذ چاہتا ہوں
ما چال ایک طرف کو بک رہا ہے — کسی جا دہلی کا دستہ کھلا ہے
کوئی ہے جو نوری کا خریدار — کسی کو دفتری دستے ہیں درکار
کوئی کہتا ہے یہ تازی ہے آئی — لیسوئی ہے یہ اچھی روشنائی
کوئی ہے زیر ابادی کا طلب گار — کسی جا عرضیاں رکھی ہیں طیار
فروشندہ بیاں کرتے یہی ہیں
کہ لے لیجے قلم یہ واسطی ہیں

در ذکر دکان تنگ

جہاں ہے کاغذ بادی کی دکان — وہاں کا کیا بیاں ہو مجھ سے سامان
ہزاروں تکلیں رنگیں ہیں طیار — پتنگوں کے کھڑے ہیں سو خریدار
دو کاندار اس جگہ کہتا یہی ہے — یہ کیا اچھا ہے کنکوا بنایا
کہیں طاؤس کا نقشا بنا کر — لگایا بہر زینت ہے دکاں پر

کوئی سادی کا پنڈا کھولتا ہے ۔ کوئی مانجھے کا گولا کر رہا ہے

در ذکر دکان پھول

رکھے ہیں ہار اور پھول ایک دکان پر ۔ مہک سے سارا رستہ ہے معطّر
کسی جا پھولوں کے چھڑے دھرے ہیں ۔ سبد لاکھوں کبھی کلیوں سے بھرے ہیں
کسی کے بیچنے کا ہے یہ اسلوب ۔ کہ لے لو موتیا کے ہار ہیں خوب
کہیں پھولوں سے بنتی ہے مسہری ۔ ہرن دیتا ہے لڑیوں میں سنہری
کسی جا گیندکی کے ہیں دھرے پھول ۔ کوئی پھولوں کے گُندھنے میں ہے مشغول
کوئی لایا ہے ڈالی میں گل درد ۔ چنبیلی کوئی لایا ہے بہت زرد
نہ ہو وہاں ایسا کم ہے پھول کوئی
دھرا بیلا بھی ہے اور موگرا بھی

در ذکر دکان رنگریز

عجب رنگت کی ہے دکان صباغ ۔ بس اس دکان کو کہتے ہیں سب باغ
ہزاروں پگڑیاں رنگی پڑی ہیں ۔ ہزاروں چادریں ہر رنگ کی ہیں
دوپٹہ ہی کوئی رنگنے کو لایا ۔ رضائی کے تقاضے کو ہے آیا
کوئی بولا یہ کپڑا جلد رنگ دو ۔ ضرورت ہے بہت مغزی کی مجھ کو
کوئی کہتا ہے رنگ دو میرا دگلا ۔ مگر ہو ویسا ہی جیسا تھا اگلا
کوئی کہتا ہے مجھ کو کیا ہی بھایا ۔ دوپٹے پر ہے کیا ہی رنگ آیا
کوئی کہتا ہے دے دو پھر اسے ڈوب
بڑا ہے چادرے پر ایک آشوب

در وصف دکان تنبولی

کسی جاگہ ہے تنبولی کی دکان ۔ مہوبے کی ہزاروں ڈھولیاں پان
کوئی بنگلے کی ڈھولی لے رہا ہے ۔ کسی کو وہ گلوری دے رہا ہے
کوئی تو پان لیتا ہے کپوری ۔ کوئی تو آدھی ڈھولی کوئی پوری
کبھی وہ پان اجلے اور کرارے ۔ کھلے آگے دھرے ہیں پیارے پیارے

بے ادنا وصف گر ہاتھوں سے چھوٹے — تو چھٹتے ہی وہ سو جا گہ سے ٹوٹے
کہیں بڑے ہیں کھڑوں کے تیار — کسی جا ہے بڑے پانوں کا انبار
خریدار اس طرح کہتے ہیں اس جا — کہ یہ تو بادشاہی ہے دریا

در ذکر پاپوش والا

جہاں سب جوتے والوں کا ہے بازار — ہر ایک دکان پہ ہیں سو سو خریدار
کسی سے کہتا ہے اس طرح دلال — ہے اس جوڑے میں سو تولے لگا مال
خدا کے فضل سے فہمیدہ ہو تم — سمجھ کر اس کی کچھ قیمت کہو تم
کوئی تو ٹاٹ بافی لے رہا ہے — کوئی چمکی کا جوڑا دیکھتا ہے
کوئی کہتا ہے کیا جوتی بنی ہے — جھکائی خوبصورت کیسا بنی ہے
کوئی باناتی ہے جوڑا اٹھاتا — کوئی مخمل کا جوڑا ہے جھکاتا
کوئی کہتا ہے جوڑا ہے خوش اسلوب — سجا بھی خوب ہے او کھی بھی ہے خوب
کسی کو ہے فقط یہ وضع بھائی — کہ لیتا کام کی ہے زیر پائی
کوئی زردوزی لیتا ہے چڑھوا ان — کوئی کیمختی جوتے کا ہے خواہاں

خریداری میں سب چھوٹے بڑے ہیں
زنانے جوڑوں کے طالب کھڑے ہیں

در وصف دکان بقال

اگر بقال کی کوئی دکاں ہے — وہاں کا کچھ جدا سب سے سماں ہے
ادھر تو گھی کا کپّا تل رہا ہے — اناج اس سمت ہر ایک قسم کا ہے
کہیں تو باریاں گڑ کی دھری ہیں — رکھیں شکر کی سو گونیں گنی ہیں
مغل کوئی جو آیا ہے دکاں پر — تو بنیا اس طرح کہتا ہے ہنس کر
کہ آغا لو یہ پشاور کے چاول
مجھے بھر مول دو دیکھا لو اول

در توصیف محکمہ کوتوالی

جہاں پر محکمہ ہے کوتوالی — ہو ایک کے منہ پہ وہاں کیا ہی بحالی

نہیں ہے ظلم اس جا کہیں اطراف — کھڑا ہے ہاتھ باندھے عدل و انصاف
معین کچھ پیادے جو وہاں ہیں — اگر دیکھو انہیں کیا کیا جواں ہیں
سلامی کو کمر باندھے کھڑے ہیں — انہیں سب دیکھتے چھوٹے بڑے ہیں
معین کوتوال ایک نیک طینت — جسے منظور بہبود رعیت
حقیقت میں ہے کیا رعب شہنشاہ — نہیں چور اور اچکا آتا اس راہ
مکان کب دوسرا ہو اس مکاں سا — خبر گیران عظیم اللہ خاں سا

یہی تاکید سے کہتے ہیں ہر بار
کسی کو کوئی پہونچائے نہ آزار

دربیان بقیہ احوال سواری

بیاں میں کر چکا بازار کا حال — سنو اب پھر سواری کا تم احوال
کئی سے ہاتھیوں پر بیلہ بردار — ہر ایک سو روپیوں کے کرتے تھے بوچھاڑ
کئی جا بٹ رہا تھا گو زر و سیم — ولی عہد آپ بھی کرتے تھے تقسیم
عظیم اللہ خاں بھی تھے پیچھے — بہت ہنس ہنس کے روپے بانٹتے تھے
مناسب نے کہ رستے میں با اعلان — دعا یوں شاہ کو دیتے تھے ہر آن

رہے یہ بادشاہ یارب سلامت
یہ سب جلوہ اسی کی ہے بدولت

در وصف خوانچہ والا

نہ پوچھو خوانچے والوں کا عالم — وہ رستے میں ہزاروں سے نہ تھے کم
تھا ایسا خوانچہ بعضے کے سر پر — بھری تھی دال موٹھ اور بھونی باڑ
کوئی خستہ کچوری بیچتا تھا — کوئی متھرا کے پیڑے کہہ رہا تھا
کہیں تھیں پوریاں بھی اور حلوا — عجب رنگت کی تھی اور تھا طرفہ جلوا
جدھر بنیوں کا مجمع خوب سا تھا — امرتی کا دھرا وہاں خوانچا تھا
کوئی کہتا یہ ان کے پاس آیا — بہت خستہ ہوں بالو شاہی لایا
کوئی کہتا تھا اس جانب تو دیکھو — بہت اچھی ہے یاجن سونٹھ لے لو
کوئی کہتا تھا کیا کھٹے چنے ہیں — بہت اچھے بہت تحفہ بنے ہیں

لئے ہاتھوں میں سینیں تھے کبابی
کوئی جھولے میں رکھے نان آبی

کسی جا خوانچہ ایسا دھرا ہے
کماچ اور ٹکیوں سے سب بھرا ہے

مسلمانوں کے رفقے لے رہے ہیں
جو کمسن ہیں جھگڑے کے لے رہے ہیں

بہت جلدی میں ہے جو اس کو پیا
کوئی اس چٹنی کا عالم کہے کیا

نکلتی ہیں نمک کی اس میں کرچیں
برابر کی ہیں اس چٹنی میں مرچیں

کھلونوں سے نہیں جا کوئی خالی
گلی بھی سینکڑوں اور ابرکی بھی

مہاجن جو کہ رستے میں کھڑے ہیں
جواہر پہنے سب چھوٹے بڑے ہیں

کسی کا باندھنو کا جیبہ اگلنار
ہر ایک زینت کی ہے ہر ایک کی دستار

بہت سے جوہری کا پہنے تھے جامے
تھے کم مہری کے سب کے پاجامے

کمربندوں سے یہ ہوتا تھا ظاہر
ہے ہر پٹکے میں لاکھوں کا جواہر

مسلمان سب کے سب شاد و فرحناک
موافق ذی کے ہر ایک پہنے پوشاک

سواری دیکھنے امنڈی تھی خلقت
در دولت سے تا مسجد تھی کثرت

کھوے سے تھا کھوا ہر ایک کا چھلتا
نگہ کو تھا وہاں رستا نہ ملتا

جو کوئی پھینکتا رائی کا دانہ
تو تھا مشکل زمیں پر اس کا آنا

بھری تھی راہ دکانیں بھری تھیں
ہزاروں تو بتیں ہر جا دھری تھیں

کھڑی تھی رات سے اسواری طیار
ہوئی تھی صبح کو ہاتھی پر اسوار

مگر انبوہ تھا یہ رہگذر میں
کہ تا مسجد تھے پہنچے ایک پہر میں

کمر میں پہنیں سب پوشاک رنگیں
لئے ہاتھوں میں اپنی ڈالیاں تھیں

سرا کے پاس جب پہونچی سواری
وہاں بھٹیاریاں حاضر تھیں ساری

سواری جب بہت نزدیک آئی
ادب سے نذر بھٹیا نے دکھائی

ہوئی یوں عرض ہے یہ بہترانی
اسے سب یاد ہیں باتیں پرانی

ثریا جاہ نے اس وقت ہنسکر
روپے لے کر بہت سے پھینکے ان پر

دعا بھٹیاریوں نے دی خدایا
رہے تم پر سدا حضرت کا سایا

کریں عید اس طرح دائم ابوالفتح
رہیں آفاق میں قائم ابوالفتح

غرض خیمے میں پہونچے جب ولی عہد
یہ فرماتے تھے زیر لب ولی عہد

رہے حضرت کی قائم بادشاہی
ہزاروں دیکھیں عیدیں وہ الٰہی

رہے یہ بادشہ قائم ہمارا
کہ جلوہ ہے انہیں کے دم سے سارا

در ذکر نماز عید

نماز عید کا عالم کہوں کیا
یہ جلسہ ہوگا کم گردوں نے دیکھا

بہت اس امر میں حیران ہوں میں
ہزاروں یا صفیں لاکھوں کہوں میں

نماز عید کی جب سے بنا ہے
یہ جلسہ ہی نہ دیکھا نہ سنا ہے

ہزاروں سجدہ گاہیں واں تھیں تیار
رکھے تھے ہر طرف انبار انبار

غرض میں کیا کہوں خیمے کی کثرت
کہ پونچی تھی وہاں لاکھوں کی نوبت

ولیکن مہتمم کا حکم کیا تھا
وضو کو پانی ہر ایک کو ملا تھا

لئے ہاتھوں میں خادم آفتابے
قرینے فرش تھے ایک ایک سے کتے

وضو کے واسطے پانی ہے طیار
شتابی لو اگر پانی ہے درکار

جو چاہے ایک لوٹا چاہے دے لے
جسے شک ہو وہ اپنے پاؤں دھولے

ہر ایک کہتا تھا جب دیکھی وہ کثرت
نہیں اس شہر میں تو اتنی خلقت

ملائک کو جو یہ جلسہ ہے بھایا
فرشتوں کا ہے انبوہ آیا

عجب مجمع ہوا تھا چشم بد دور
عجب رونق تھی اس جا اور عجب نور

قسم کھا کر میں یہ کہتا ہوں دلگیر
کہ پیچھے والے سنتے تھے نہ تکبیر

مسن موجود تھے سو سو برس کے
قسم کھا کر وہ تھے آپس میں کہتے

کبھی اب تک بسلطان حجازی
نہیں باہم ہوئے اتنے نمازی

اگر ہوتی نہ یہ خیمہ میں وسعت
سماتی کس طرح سے اتنی خلقت

عجب میدان ہے اللہ اکبر
وسیع اتنا کہاں میدان محشر

ہزاروں کرتے تھے اس طرح مذکور
ہے الاعمال بالنیات مشہور

رہے یارب سلامت اس کا بانی
ملے اس کو حیات جاودانی

بس اس خیمے اور اس میدان کا جلوہ
یہ سب ہے زینت خاقان کا جلوہ

ہوئی پھر باہزاراں جاہ و شوکت
نماز عید سے جس دم فراغت

وہاں جو نصب تھا چاندی کا منبر
پھر اس دم مجتہد نے اس پہ جاکر

فصاحت سے پڑھا ایسا ہے خطبا
مسجع جس کا تھا ہر ایک فقرہ

پس از حمد خدا و نعت احمد
بیاں کی شوکت آل محمد

بیاں کی عید کے دن کی فضیلت
دعا کی اس طرح پھر بہر حضرت

ذکر ہو خلق کے سر سے خدایا ‏ ابوالفتح و معین الدین کا سایا
دعا جس دم وہ کرتے تھے اس آئین ‏ ہر ایک جانب سے یہ غل تھا کہ آمین
فراغت جس گھڑی خطبے سے پائی ‏ تو پھر خلعت کی کشتی ایک آئی
پنہایا مجتہد کو آپ خلعت ‏ دعا چاروں طرف تھی بہر حضرت
نکل کر خیمۂ عالی سے یکبار ‏ عماری پر ہوئے پھر آگے اسوار
کھڑی تھیں خیمے سے توپیں جو کچھ دور ‏ سلامی کی ہوئی شلک بدستور
پھری وہاں سے اسی صورت سواری ‏ اسی صورت تھی خلقت جمع ساری
وہاں سے نذر دی حضرت نے آکر ‏ جھکے معمول سے قدموں کے اوپر
سر ان کا شہ نے چھاتی سے لگایا ‏ اور ان پر ہاتھ شفقت کا پھرایا
کہا ارکان نے حضرت سے بالکل ‏ وہ مجمع اور سواری کا تجمل
عظیم اللہ خاں آئے جو اس دم ‏ تو دیکھا شہ بہت ہیں شاد و خورم
یہ ہنسکر بادشہ نے ان سے پوچھا ‏ کہو کس طور کا مجمع ہوا تھا
ادب سے عرض کی اے شاہ نامی ‏ خدا ہر دم رہے حضرت کا حامی
رہے حضرت پہ سایہ پنجتن کا ‏ کہ ہے سب حال حضرت پر ہویدا
عیاں ہے حال شاہان سلف کا ‏ مورخ نے یہ سب کا حال لکھا
بہت ہیں شہر میں سو سو برس کے ‏ قسم دے دے کے کوئی ان سے پوچھے
فقط حضرت یہ ہے خالق کی تائید ‏ کبھی دیکھی نہیں اس دھوم کی عید
جو تھے اس وقت حاضر اور ارکان ‏ سو وہ بھی یک زباں کہتے تھے اس آن
رکھے اللہ حضرت کو سلامت ‏ نہیں دیکھا یہ مجمع اور یہ کثرت
نکلتا تھا یہ ہر ایک کی زباں سے ‏ کہ یہ انبوہ آیا ہے کہاں سے
حقیقت میں تھا وقت ایسا خوشی کا ‏ ہوا پیدا جو بچا کبھی کسی کا
ہے اس معمول سے آگاہ خلقت ‏ کہ بچہ روتا ہے وقت ولادت
اگر اس دھوم کا ہے یہ سراسر ‏ کہ وہ ہنستا ہوا آیا زمیں پر
یہ سب ہے نیت و اقبال حضرت ‏ عظیم اللہ خاں کی فی الحقیقت
بہت اس امر میں کی جانفشانی ‏ بجا ہے ختم ان پر کاردانی
یہ سن سن کر بہت حضرت ہوئے شاد ‏ کیا پھر واسطے خلعت کے ارشاد
حضور شاہ شاہاں آیا خلعت ‏ عظیم اللہ خاں نے پایا خلعت

در وصف حسین آباد

ہے اے دستگیر عالم پر ہویدا　　بھلا اس روز تو دن عید کا تھا
حسین آباد میں حق کے کرم سے　　خدا رکھے سلامت شہ کے دم سے
بہت آٹھوں پہر رہتی ہے کثرت　　ہمیشہ مجتمع رہتی ہے خلقت
ہر ایک ساعت بفضل رب قیوم
ہر ایک جانب ہے روز عید کی دھوم

در توصیف مکان سکونت شیران

جہاں شیروں کے رہنے کا مکاں ہے　　غرض جب دیکھو ایک مجمع وہاں ہے
سبھوں نے ہیں ہزاروں شیر دیکھے　　مگر دیکھے نہیں ہیں شیر ایسے
کہوں کیا اُن کے قامت کی درازی　　یہاں روباہ ہیں شیر حجازی
جو گونجیں دیکھ کر خلقت کا انبوہ　　خدا آگہ ہے تھرا جائے ہر کوہ
وہاں انبوہ تو رہتا ہے ہر دم　　جدا ایک ایک یہی کہتا ہے ہر دم
ہیں یہ شیر جس شہ نے دکھایا
رہے شیر خدا کا اس پہ سایا

در توصیف خرس

جہاں ہے خرس کا ہر ایک کٹہرا　　تماشائی وہاں رہتے ہیں یکجا
ہر ایک کا کیا ہی چہرہ کیا حسیں ہے　　کہ ریچھ اس طرح کا دیکھا نہیں ہے
نئی رنگت نرالے ان کے ہیں بال　　نیا انداز ہے ان کی نئی چال
تعجب ہے یہ کس صورت سے آئے　　فقط اقبال سے حضرت کے آئے
رکھے حق ایسے شاہ نامور کو　　ہے یہ آرام ہر ایک جانور کو
مکان ان کے لیے ہیں بہتر و پاک　　ہر ایک کو وقت پر ملتی ہے خوراک

در وصف تالاب

بنا تالاب کی جس جا پڑی ہے　　وہاں جب دیکھو تب خلقت کھڑی ہے

ہزاروں خلق نے دیکھے ہیں تالاب — حقیقت میں ہے اس کی وضع نایاب
نہ کیوں کر وضع ہو اس کی نرالی
ہے عالی طبع کی تجویز عالی

در وصف تصاویر

کئی جو نصب تصویریں ہیں اس جا — سدا گرد ان کے ہے خلقت کا زغا
کوئی وہ لوح لکھی پڑھ رہا ہے — جو ناخواندہ ہے اس سے پوچھتا ہے
کوئی کہتا ہے یوں ہوتا ہے معلوم — کیا تاریخ سے ہے اس کو مرقوم
کوئی کہتا ہے کیا ہے اس میں قدرت — کہ کیا کیا اس نے پیدا کی ہے خلقت
وہ جو پتھر کی تصویریں ہیں اس جا — یہ ان کو دیکھ کر ہر ایک ہے کہتا
سنا ہے ہر مصور کی زبانی
یہ تصویریں ہیں بے شک کارمانی

در وصف گھڑیال

بزبان شہنشاہ خوش اقبال — لٹکتا ہے جو دروازے پہ گھڑیال
نہایت خوبصورت اور بڑا ہے — یہی گھڑیال سے آتی صدا ہے
کہ ہر دم ہر گھڑی ساعت بساعت — فزوں اس شاہ کا ہو جاہ و حشمت
ہر ایک سو شور اس گھڑیال کا ہے — ہو بجتی سارے عالم میں صدا ہے
بہت گھڑیال جو ہے خوبصورت — ہر ایک دم دیکھنے آتی ہے خلقت
ہمیشہ بجتا ہے نقار خانہ — وہاں ہی مجمع رہتا ہے روزانہ
لکھا دلگیر میں نے مختصر حال — سو یہ بھی تھا فقط حضرت کا اقبال
اگر وہ حال لکھتا ہے سراسر — تو ہوتے جمع پھر دفتر کے دفتر
عزا خانے کی گر لکھتا میں تعریف — تو سو جز کی کتاب ایک ہوتی تالیف
نہیں یہ وصف کچھ اس کا لکھا ہے — بطور اختصار کے تھوڑا لکھا ہے
نہ میں نے اس لئے اس کو دیا طول — کہ اکثر مختصر ہوتا ہے مقبول
نہیں اس امر سے کوئی امر بہتر — کہ اس کا خاتمہ ہو اب دعا پر
الٰہی جب تلک ہے عید کا روز — رہے یہ شاہ شاہاں عشرت اندوز

خدا رکھے بہت اس کو سلامت ‏ ہمیشہ عید کے یہ بانٹے خلعت
رہے آفاق میں یہ شاہ نامی ‏ محمدؐ اور علیؑ ہوں اس کے حامی
سدا ہو دولت و حشمت کی چستی
ہمیشہ شاہ کو ہو تندرستی

قطعہ تاریخ

شہید ایک شیخ ناسخ کا ہے شاگرد ‏ دعائے شاہ ہے اس کا سدا ورد
سدا میری طرح محو دعا ہے ‏ ہمیشہ نام حضرت پر فدا ہے
مجھے یہ مثنوی کہتے جو دیکھا ‏ خوشی اس کو ہوئی حد سے زیادہ
تامل کر کے کچھ پھر ہو کے خورم ‏ کہا، میں نے کہی تاریخ اس دم
لکھا یہ مصرع تاریخ یک بار
صفات شاہ میں ہے مدح بازار
۱۲۵۵ ہجری

قطعہ در شکریہ عنایات خلعت و انعام نقد در صلۂ مثنوی ہذا

ابوالفتح معین الدین شہنشاہ ‏ رہے محشر تلک باحشمت و جاہ
عجب یہ بادشاہ باسخی ہے ‏ یہ از دارا اسی در کا گدا ہے
بعالم فیض شاہ ما عمیم است ‏ کریم است و کریم است و کریم است
جو کچھ اس شاہ سے مانگا وہ پایا ‏ در دولت سے خالی کون آیا
دو شالے کا جو سائل کوئی آئے ‏ تو پھر وہ صوبۂ کشمیر پائے
جو کم سے کم ہے حضرت کی سخاوت ‏ یہ بخشی ہے وہاں لاکھوں کی دیت
زہے جود و زہے بخشش زہے بذل ‏ کہ باشد ذکر حاتم پیش او ہزل
در حضرت نے عزت ہے یہ پائی ‏ سخاوت کرتی ہے یہاں جبہ سائی
جواں بخت و جواں دولت جوانمرد ‏ یہاں نوشیرواں کا عدل ہے گرد
یہ گو ہے لکھنؤ بستی پرانی ‏ ہوئی کب اس میں یہ راحت رسانی
جلوس شاہ سے شاہد خدا ہے ‏ یہ شہر کہنہ اب تازہ ہوا ہے
جو شہ کے آنے جانے کا ہے رستہ ‏ ظفر استادہ ہے وہاں دست بستہ

حشم چاکر ہے شاہ دادگر کا
محافظ ہے سدا اقبال در کا

یہ شہ ہے قدر دان ہر ایک فن کا
خصوصاً فرقۂ اہل سخن کا

جو کوئی مدح خاقاں کہہ کے لایا
صلہ اس نے بخوبی شہ سے پایا

کی ایک بیت میں گر مدح حضرت
مکاں بخشا، کیا زر بھی عنایت

ہے یہ دستگیر جو مداح خاقاں
دل و جاں سے ہے نام شہ پہ قرباں

ازل سے بندۂ درگاہ ہے یہ
قدیمی خانہ زاد شاہ ہے یہ

ہے یہ فضل و کرم حضرت کا مجھ پر
صلہ میں مدح کا پاتا ہوں اکثر

ہوئی سارے جہاں میں میری عزت
کہ مبلغ چار سو نقد اور خلعت

عنایات شہنشاہ زماں سے
ملا دست عظیم اللہ خاں سے

رہے فضل خدا اس بادشاہ پر
کیا فضل و کرم اپنے گدا پر

ہوئی مدت میں پوری میری امید
کیا حضرت نے اس ذرہ کو خورشید

کروں کس منہ سے میں شکر عنایت
قیامت تک رہیں حضرت سلامت

ابھی تک تو کوئی یہ بھی نہ سمجھا
کہ ہے دستگیر کس کوچے میں رہتا

ملا یہ بعد عمر شصت سالہ
تصدق شہ کا، رومال اور دوشالہ

الٰہی جب تلک ہے رسم خلعت
یونہیں خلعت ہمیشہ بانٹیں حضرت

قیامت تک بافضال الٰہی
رہے حضرت سے زیب تخت شاہی

سدا خلعت کو بخشیں شہ زر و سیم
الٰہی ہوں یہ شاہ ہفت اقلیم

باوج و جاہ پائندہ رہیں شاہ
مسیح و خضر ساں زندہ رہیں شاہ

تصدق صاحب خاک شفا کا
مرض کوئی نہ ہو حضرت کو اصلا

الٰہی شاہزادے تا قیامت
رہیں سائے میں خاقاں کے سلامت

عظیم اللہ خاں پر یا الٰہی
رہے ہر دم نگاہ لطف شاہی

سپرد اس کے رہیں سب کار سرکار
زیادہ ہر گھڑی ہو شاہ کا پیار

رہیں خورسند دولت خواہ حضرت
جو اعدا شہ کے ہوں جلدی ہوں غارت

مثنوی در توصیف تالاب عثمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کی حمد بحر بیکراں ہے
سفینہ ایک جس کا آسماں ہے

عجب قلزم ہے وسعت رب باری
کہ جس سے سینکڑوں نہریں ہیں جاری

موحد اس میں گر غوطہ لگائے
تو فوراً گوہر توحید پائے

کنارا کب عیاں ہوتا ہے اس کا
سمندر چھوٹا ایک ہوتا ہے اس کا

ٹھہرنے کو اگر وہ حکم فرمائے
ہر ایک بحر رواں فوراً ٹھہر جائے

اگر ہو جائے حکم رب باری
سمندر نہر کی صورت ہو جاری

ہے یہ بھی قدرت خلاق مطلق
فلک پر ہیں کئے دریا معلق

نہیں اس کا عمل ہے کوئی بیکار (ج)
کہیں ارحم کسی جا ہے وہ قہار

غضب نے صورت طوفاں دکھائی
کرم نے نوح کی کشتی بچائی

اسی کے نور سے روشن ہیں اختر
اسی کے فیض کا چشمہ ہے کوثر

وہی خلاق ہے کون و مکاں کا
وہی ہے منتظم دونوں جہاں کا

منور نور اسی کے حکم سے ہو
صدف میں در اسی کے حکم سے ہو

در نعت ختم المرسلین
و
منقبت آئمہ معصومین
علیہم الصلوٰۃ والسلام

محمدؐ ہیں جو بیشک بحر رسل حق — ہوئے ہیں یہ اسی دریا سے مشتق
کہوں میں آب و تاب اس کی کہ کیا ہے — کہ یہ در یتیم اس بحر کا ہے
جہاں ہے صورت کشتی مقرر — محمدؐ اس سفینے کے ہیں لنگر
جناب مصطفیٰؐ عالی ہمم ہیں — رسول ہاشمی بحر کرم ہیں
حقیقت میں ہیں بحر لطف باری — ہوئی نہریں ہیں بارہ ان سے جاری
نہیں نہروں سے تشبیہ ان کی زنہار — کہ ہے ایک ایک ان میں بحر زخار
عجب دریا ہے جس میں کچھ نہیں بیر — ترائی کے اسی کے ہیں علی شیر
محمدؐ قلزم فضل خدا ہیں — علیؑ بحر سخا کے آشنا ہیں
جو زائر در پر ان دونوں کے جائے — تو پھر وہ حاجی بحرین کمائے

یہ چودہ تن[1] ہیں بحر فضل سرمد
جناب مصطفیٰؐ سے تا محمدؐ

---

[1] چودہ تن سے مراد چہاردہ معصومین یعنی جناب محمد مصطفیٰؐ، جناب فاطمۃ الزہرا، جناب علی مرتضیٰ، جناب حسن مجتبیٰ، جناب حسین شہید کربلا، جناب زین العابدین، جناب محمد باقر، جناب جعفر صادق، جناب موسیٰ کاظم، جناب علی رضا، جناب محمد تقی، جناب علی نقی، جناب حسن عسکری، جناب مہدی آخر الزماں۔

در مدح سلطان زماں

ہے وہ جو بحر وصف شاہ عادل
نہیں دیکھا کسی نے اس کا ساحل

ابو الفتح و معین الدین ہیں القاب
نہیں اس کا محیط جود پایاب

جو دست شاہ میں دس انگلیاں ہیں
سو دس نہریں یہ بخشش کی رواں ہیں

اگر حاتم حضور شاہ آتا
تو بحر شرم میں وہ ڈوب جاتا

غرض شمشیر خاقاں میں ہے وہ آب
کہ خاصیت زمانے سے ہے نایاب

عدو گر خواب میں دیکھ اس کو پائے
تو بحر خوف میں وہ ڈوب جائے

اسی کے خوف سے ہے مہر لرزاں
نہیں رکتی ہے کاہی شکل طوفاں

جہاں آیا جو وہ قبضے میں آئی
وہ تیغ آب ظفر کی ہے بجھائی

نہایت منصف و عادل ہے یہ شاہ
بوقت جود دریا دل ہے یہ شاہ

زہے بخشش عجب بذل و سخا ہے
جہاز جود کا یہ ناخدا ہے

یہی سمجھاتی عقل دور بیں ہے
کنار بحر وصف شہ نہیں ہے

تو خس ہے بحر وصف شہ ہے ذخار
دعا یہ کہہ اے دلگیر اشعار

شگفتہ پھول ہیں جب تک چمن میں
ہے پانی جب تک گنگ اور جمن میں

تہ فرمان شہ دنیا ہو ساری
رہے بحر سخائے شاہ جاری

مثل یہ جانتی ہے خلق انبوہ
سخی کی ناؤ چڑھتی ہے سر کوہ

علی کا واسطہ اے حق تعالی
ہو اس شاہ سخی کا بول بالا

شتاب اب دور شہ کا ورد پا کر
الٰہی صحت کامل عطا کر

جو ہو شاہ زماں کا دشمن اوج
وہ سر پٹکے زمیں پر صورت موج

سبب تالیف

بہت روزوں سے ہے معمول میرا
کہ روز جمعہ لکھتا ہوں عریضہ

عریضے کی میں سب لکھ کر عبارت
یہ لکھتا ہوں دعائیں بہر حضرت

رہیں قائم قیامت تک شہنشاہ
رہے تابندہ نجم دولت و جاہ

الٰہی ہو یہ شاہ دادگستر
بحشمت بادشاہ ہفت کشور

رہے یہ حکمران خلق تب تک
ظہور مہدی ہادی ہو جب تک

تمام اس شہ کے پورے ہوں ارادے
رہیں قائم یہ شاہ اور شاہزادے

اور آخر نام اپنا لکھ کے دلگیر
مطالب اپنے کچھ کرتا ہوں تحریر

تصور روز آدینہ یہ آیا
کہ ہے تالاب شاہی رشک دریا

حسین آباد میں چل کر دعا کر
عریضہ دے سر تالاب جا کر

سر تالاب شاہی ایک فضا ہے
وہ بیشک غم شکن راحت فزا ہے

وہ جا پایا اب رہے تا حشر معمور
وہاں جاتے ہی غم ہو جائیگا دور

گذر میرا ہوا جس وقت اس جا
تو دیکھا اور ہی کچھ وہاں کا جلوا

دعا پڑھ کر دیا پہلے عریضہ[1]
تصور پھر یہ میرے دل میں گزرا

جو ہے خلق خدا اس شہر سے دور
نصیب ان کے کہاں یہ جلسہ نور

یہاں کا حال ایسا کر کے موزوں
کہ جس میں ہوں سراسر خوب مضمون

ہزاروں منزلوں فی الفور بھیجوں
ہر ایک جا ارمغاں کے طور بھیجوں

نظر اس مثنوی پر جو کہ فرمائے
تو نقشا میلے کا آنکھوں میں پھر جائے

اسی ساعت بتائید الٰہی
لکھا یہ جلسہ تالاب شاہی

شمہ از صفت تالاب شاہی

پلا ساقی مجھے تو وہ مے پاک
فزوں ہو جس سے فہم و عقل و ادراک

سرور اس میں سوا اس کے نہ ہو ادراک
رہے تا حشر شاہنشاہ کا دور

بنا تالاب ہے کیا ہی مثمن
بلا شک ہے نظیر بہشت گلشن

زبس ہے شاہ کی تجویز عالی
ہے اس کی وضع عالم سے نرالی

جو ہے چھوٹے سے چھوٹا اس کا زینہ
تو اس کا یہ نظر آیا قرینہ

کرے دریافت گر اس کی درازی
نہ پہونچے آٹھ دن میں اسپ تازی

تعجب میں غرض چھوٹے بڑے ہیں
کہ لاکھوں آدمی اس پر کھڑے ہیں

---

[1] دریا میں عریضہ دینا۔ شیعوں میں یہ رسم ہے کہ حضرت امام مہدی آخرالزماں کی ولادت کے موقع پر نیمہ شعبان دریا میں عریضہ ڈالا جاتا ہے۔ یعنی امام زماں کے نام عرضی لکھ کر اس میں کوئی مراد مانگ کر دریا میں بہا دیتے ہیں۔ (فرہنگ اثر ص [illegible])

بڑے زینوں کا عالم میں کہوں کیا — پہونچتا ہے نہیں وہاں فہم میرا

لطافت کیا کہوں میں اس مکاں کی
صفا وہاں جمع ہے سارے جہاں کی

در صفت برج

بنے ہیں برج ہر جا گہ منور — مشابہ ہو برج گردوں سے سراسر
چڑھے گر برج پر کوئی سرافراز — فرشتوں کی سنے وہ صاف آواز
ہر ایک شب اور سحر سے لے کے تا شام — نہیں اس جا غبار و گرد کا نام
غرض دیکھے جو آ کر برج یک یک — کہے اس طرح اپنے منہ سے بیشک
گرے کو خاک کی پہونچے خرابی — یہاں غالب پڑا ہے برج آبی
خضر کے دست و پا یہاں آ کے بہونے — وہ سب آب بقا کا لطف بھولے
خضر نے اس طرح فرمایا مذکور — حقیقت میں کہاں ظلمت کہاں نور
جو زندہ ہوتا یہاں آتا سکندر — یہاں کا پانی پی جاتا سکندر

نظیر چشمہ خورشید ہے یہ
جہاں کا چشمہ امید ہے یہ

در صفت آب تالاب

ہر کب میں ملاؤں آب گوہر — صفائے آب تب لکھوں سراسر
نہیں دیکھا مصفا ایسا پانی — بجا ہے کہئے آب زندگانی
جو حسن اس پانی میں ہے اور صفائی — نہیں وہ مہر و مہ میں بھی ضیا ہے
وہاں آئنے میں عکس مہر تھرائے — کہ پانی عکس سے میلا نہ ہو جائے
گے مہ دیکھے گر آب مصفا — بچھا ہے فرش اجلی چاندنی کا
غرض بے مثل ہے جیسا کہ تالاب — ارنے میں ویسا ہی پانی ہے نایاب

لہ سکندر اعظم ۳۵۶ برس قبل مسیح شاہ مقدونیہ کے صلب اور ملکہ المپیاس کے بطن سے پیدا ہوا حکیم ارسطاطالیس سے تعلیم و تربیت پائی بسن بیس سے ۳۳۶ برس قبل تاج و تخت کا مالک ہوا اس وقت اس کی عمر ۲۰ برس کی تھی۔ شاہ فارس دارا اور پنجاب کے راجہ پورس کو شکست دی۔ ہندوستان سے لوٹنے کے بعد عرب کا ارادہ کیا لیکن شہر بابل پہنچکر بعارضہ بخار ۳۲ برس کی عمر میں انتقال کیا۔
(قاموس المشاہیر صفحہ ۲۹ جلد اول)

کروں شیرینی اس کی گر قلم بند
تو پھر ہو جائیں لب ہائے قلم بند

بہت اشخاص کا ہے طور اکثر
کہ آب گنگ پیتے ہیں منگا کر

اگر چاہیں وہ لطف زندگانی
پئیں تالاب کا منگوا کر پانی

یہ سردی اس کو بخشی ہے خدا نے
ہوئے ہیں سرد سارے برف خانے

ہوا شور اس کی سردی کا جو یکبار
تو شورا ہو گیا دنیا کا بے کار

اجارا جس نے شورے کا کیا ہے
وہ بھر کر سانس ٹھنڈی کہہ رہا ہے

وہ پانی رکھتا ہے تالاب حضرت
نہیں کچھ شورے کے پانی کو نسبت

ہوا اب کے بہت نقصان ہمارا
ہے اب بیکار شورے کا اجارا

ہر ایک جانب کو شیرینی کا ہے شور
ہے اس کے آگے شربت قند کا شور

سوائے سردی و شیرینیٔ آب
بہت خاصیتیں ہیں اس میں نایاب

کوئی مبروص اگر اس میں نہائے
تو فوراً صحت اس پانی سے پائے

تمام اطراف میں پانی کی ہے دھوم
صحیح اکثر ہوئے ہیں اس سے مجذوم

کیا جس شخص نے چھینٹوں کا دستور
تو آیا دیدۂ بے نور میں نور

جو یوم نوبت ہو پانی میں داخل
تپ لرزہ ایک دم میں ہو زائل

صداعی سر میں گر مٹی لگائے
وہ مٹی طور صندل کا دکھائے

کہ فوراً درد سر ہو جائے کافور
رہے یہ عارضہ اس سے صدا دور

کسی کو غش اگر آ جائے یکبار
گلاب اور کیوڑا سارا ہے بیکار

کوئی تالاب کا پانی چھڑک دے
وہ آنکھیں کھول اپنی یک بیک دے

شفا پاتے ہیں اس سے سارے رنجور
تپ مزمن اسی سے ہوتی ہے دور

دوا ہر ایک مرض کی ہے وہ پانی
ہے جو ہر اس کا طول زندگانی

حسین آباد سے از بس ملا ہے
تو یہ تالاب بھی معجز نما ہے

کرم شہ پر ہے شاہ کربلا کا
اثر پانی میں ہے خاک شفا کا

تمام اس شہر کے ہیں جو دوا ساز
ہوا ہے ان دنوں یہ ان کا انداز

یہی پانی دواؤں میں ملا کے
خریداروں کو کہتے ہیں کھلا کے

کہ خوشبو اور مزا اس میں ہے کیسا
گلاب اور کیوڑا دیکھا ہے ایسا

یہ پانی شاہ کے تالاب کا ہے
گلاب اور بید مشک اس پر فدا ہے

ہے ان روزوں یہ عطاروں کا معمول
چڑھاتے ہیں اسی پانی میں سب پھول

بنے ہیں عطر اس پانی کے جو جو ۔۔۔ زیادہ اور عطروں سے ہے خوشبو
خریدار آن کر کہتا یہی ہے ۔۔۔ جدا سب سے مہک اس عطر کی ہے
وہ خوشبو ساز یوں کہتا ہے ہنس کر ۔۔۔ تو کرنا اس سخن کو میرے باور
ہوا تالاب میں پانی ہے جب سے ۔۔۔ زمیں صندل کی ہے بیکار تب سے
بناتے ہیں جو اس پانی سے ہم عطر ۔۔۔ تو ایسے بیش ازیں ہوتے تھے کم عطر
خدا اس شاہ کو رکھے سلامت ۔۔۔ ہوئی ہے عطر کی وہ چند قیمت
مرکب میں ملے گر آب دریا ۔۔۔ بنے کاغذ اگر سارے جہاں کا

اگر ہر شاخ نخلستاں قلم ہو
نہ وصف اس کا ذرا مجھ سے رقم ہو

بیان میلہ تالاب

ہوا منظور بھی یہ مجھ کو فی الحال ۔۔۔ لکھوں تھوڑا سا اس میلے کا احوال
یہ ہر جا نظم کا دیکھا ہے دستور ۔۔۔ شہ اور شہزادے کا پہلے ہو مذکور
کہی وہ مثنوی جو بیشتر ہے ۔۔۔ اسی سے وہ قبول ہر بشر ہے
کہ ہے شان سواری ولی عہد ۔۔۔ ہے سامان سواری ولی عہد
لکھوں اس میں یہی ہے دل میں ٹھانا ۔۔۔ ہمایوں جاہ کا میلے میں آنا
یہ طاقت ہے مجھے از فضل باری ۔۔۔ لکھوں سارا میں سامان سواری
مگر اس نظم کو ہو جائے گا طول ۔۔۔ د شاہنشاہ کو خوش آئے گا طول
لکھوں تھوڑا سا وہ جاہ و تجمل ۔۔۔ چمن میں گر پڑھوں ہنس دے ہر ایک گل

دعائیں دے اسے سن کر یہ خلقت
رہے چھوٹا یہ شہزادہ سلامت

سامان سواری صاحب عالم ہمایوں جاہ بہادر دام اقبالہ

جلو میں شملہ باندھے ناقہ اسوار ۔۔۔ کئی بیک آگے آگے برق رفتار
سواری میں بہت سے گھوڑے کوتل ۔۔۔ بہت سے ساتھ اسوار اور پیدل
کئی سو سے زیادہ بان بردار ۔۔۔ پھریرے جن کے رنگین اور زرتار
جلو میں برچھیوں والے بہت خوب ۔۔۔ وہ ان کی برچھیاں اچھی خوش اسلوب

بہت سے خاص بردار اُن کے ہمراہ
وہ اچھی وردیاں اللہ اللہ

زری کی بیرقیں اور سرخ بھالے
وہ لشکر ان کے عالم سے نرالے

عصا بردار یوں کہتے پیادہ
الٰہی عمر و دولت ہو زیادہ

وہ خود پہنے ہوئے شاد اور فرخناک
جو کچھ ہوتی ہے شہزادوں کی پوشاک

وہ چھوٹے چھوٹے شہزادے کے مندیل
ہے جس پر سایۂ میکال و جبرئیل

قبا کا وصف لب پر جو کہ لائے
تو وہ اپنے نہ جامے میں سمائے

ہر ایک خط شعاعی اس کا ہر بند
نظیر کہکشاں چھوٹا کمربند

یہاں اِس ڈاب کی ہوں وصف کس سے
مہ و خور عاشق و معشوق جس کے

کمر میں چھوٹی سی تیغ صفاہاں
عنایات حضور شاہ شاہاں

وہ بھولی بھولی صورت چشم بد دُور
عیاں شہزادگی کا چہرے سے نور

موافق قد کے سب شاہانہ زیور
رقم ایک ایک خراج ہفت کشور

سوار فیل باصد شان و شوکت
جلو میں دبدبہ ہمراہ حشمت

دعائیں دیتی دولت ہر قدم پر
بلائیں لیتی حشمت ہر قدم پر

دعائیں پڑھتا ہردم ساتھ اقبال
رکھے قروبں زمیں پر ہاتھ اقبال

سواری میں تھا وہ کمسن بھی عملہ
کوئی تو باندھے پگڑی کوئی شملہ

بہت سے فیل ہمراہ سواری
مغرق ہودج اور پر زر عماری

رفیق الدولہ ان کے ساتھ اسوار
بدن میں ان کے تھی پوشاک زرتار

سیادت چہرۂ انور سے ظاہر
شرافت دست بستہ ساتھ حاضر

مروت میں وحید عصر و آفاق
سلام ایک ایک کا لیتے باخلاق

رفیق خاص دولت خواہ سرکار
بجا ہے ان پہ شاہنشاہ کا پیار

شناسائے مزاج شاہ ذی جاہ
ہر ایک کے کام میں مصروف للہ

رفیق اشراف کچھ گھوڑوں پہ اسوار
نجابت سب کے چہروں سے نمودار

بہت سے بقچہ برداروں کے ہاتھی
جلو میں تا بجان خس کے ساتھی

کوئی جاتا لیے ہاتھی پہ بیٹھا
کسی کے پاس چھوٹا خاصدان تھا

عمامے باندھے سیدھے ساتھ دس بیس
کڑے سونے کے پہنے سارے سائیس

کسی کے ہاتھ میں پنکھا بڑا سا
لیے ایک پنکھیا گدی پہ بیٹھا

منڈھے بانات و مخمل کے سراسر
کئی سونے کے ٹپارے بہنگیوں پر

تھے وہ جو آب خاصی کے پٹارے ۔ منڈھے تھے سُرخ مخمل سے وہ سارے
مسلمان سب کہار ان بہنگیوں کے ۔ نئی تو کرتیاں اور کپڑے اُجلے
وہ تھالے جوڑ سونے روپے کے سب ۔ مقابل ان کے مہر و ماہ ہوں کب
کئی جانب رہا تھا ساتھ بیلا ۔ اسی جانب مخاطب سارا میلا
دعا تھی اس کے حق میں چار حد سے ۔ خداوندا بچانا چشم بد سے
الٰہی شہ کے سائے میں ہو یہ بیر ۔ فزوں ہو اس کے ہر دم قدر و توقیر
شگفتہ اس کا گلشن شاہ دیکھیں ۔ پوتے اس کے شاہنشاہ دیکھیں
ہر ایک سردار کی آئی سواری ۔ لب تالاب شاہی باری باری
امیر شہر سبھی اور مہاجن ۔ تمام آئے تھے اس جا دولہ بن بن

دربیان ارباب نشاط

کہوں کیا حال میں سب نولیوں کا ۔ جھمکڑا بینسوں اور ڈولیوں کا
کوئی کہتی ہے اپنی نائکہ سے ۔ کہ جان آتی ہے یاں ٹھنڈی ہوا سے
خدا رکھے سلامت بادشہ کو ۔ رکھے اللہ آباد اس جگہ کو
یہی نام خدا میلے کی جا ہے ۔ عجب پانی ہے کیا ٹھنڈی ہوا ہے
کہو تو عیش باغ ایسا کہاں ہے ۔ بغیر از بندروں کے کیا وہاں ہے
دھری تھیں ڈولیاں زینوں پہ ہر جا ۔ نئے انداز کا ہر ایک کا پردا
کوئی چھایا ہوا ڈولی کا پردا ۔ کسی پہ سر بسر تکیا لگا تھا
کوئی تو آدمی کھڑ کھڑیا کو کھولے ۔ یہ کہتی تھی کوئی مجھ سے نہ بولے
مجھے تم سیر میں رہنے دو مشغول ۔ کہ اس دم شب کی گرمی سب گئی بھول
عجب ٹھنڈی ہوا ہے کیا کہوں میں ۔ یہی جی چاہتا ہے سو رہوں میں
کسی سے کوئی یوں کہتی ہے اس جا ۔ ہزار آم اچھے چُن کر جلد لے آ
کوئی بولی کہ فرق اس میں نہیں ہے ۔ مزا آنبوں کے کھانے کا یہیں ہے
عجب شیریں ہے اس تالاب کا آب ۔ اور اس پانی کی خاصیت ہے نایاب
ترش گر آم سب ہوں یا کہ سیٹھے ۔ جب اس پانی میں دھویا سب ہیں میٹھے
کسی کے پاس مقنیسی چھڑی ہے ۔ کوئی بیٹھی ہے اور کوئی کھڑی ہے
ہنس سے کوئی یہ کہتی ہے آئی ۔ کہ شطرنجی ہے کیوں دوہری بچھائی

کوئی بیٹھی ہے پانی کے برابر
ایک اچھی سوزنی اُجلی بچھا کر

یہی کہتی ہے دھبا لگ نہ جائے
نہ ننگے پاؤں اس پر کوئی آئے

جو گگرا والا کہتا ہے کسی سے
یہ خوشبودار تنباکو ہے نیچے

وہ کہتی ہے تجھے سودا ہوا ہے
کبھی میں نے تیرا حقہ پیا ہے

یہ پھر کہتی ہے لونڈی کو بلا کر
توے کی گڑگڑی بھر جلد جا کر

کوئی نوجی سے کہتی ہے کہ آؤ
بس اب تم دال موٹھ اتنی نہ کھاؤ

یہ دیکھو دونا پیڑوں کا دھرا ہے
بھلا کھٹے پھلوں میں کیا مزا ہے

کسی نے ایک جھجر ہے منگایا
وہ جھجر لے کے نوکر جب کہ آیا

کہا لے چل یہ پانی اس میں بھر کر
بہت تالاب کا پانی ہے بہتر

نہ گھر میں جا کے اس کو بھول جانا
یہی پانی مجھے شب کو پلانا

دھمک کر پاؤں کو چلتی ہے کوئی
سنے آواز تا ہر ایک چھڑوں کی

کسی کسی کو ہے یہ طور بھایا
دوپٹہ باندھنو کا ہے رنگایا

کوئی پہنے تھی نافرمانی جوڑا
کہ منہ ہے جس سے عاشق نے موڑا

کوئی تو نالکا سے یوں تھی بولی
کہ تم سے پہلے میں جھولا تھی جھولی

امیروں کی جو نوکر رنڈیاں ہیں
کہاروں سے وہ یوں کرتی بیاں ہیں

اٹھا ہے ابر گھر نزدیک ہے جا
لپک کر موم جامہ جلد لے آ

جو بے نوکر ہیں ان کی یہ صدا ہے
غریبوں کا کلی لے لوگو خدا ہے

کسی سے کوئی کہتی ہے کہ بہنا
یہاں آکر عجب ہے کچھ نہ لینا

کوئی تو چیز کھانے کی منگا دو
یہ جو میں نے لیا ہے اس کو کھا دو

مگر تم دودھ دار آئی ہو گھر سے
کہ منہ باندھے ہو بیٹھی دوپہر سے

کہا اس نے ہے اس جا سب زمانا
مری تو چڑھ ہے کچھ میلے میں کھانا

کسی نے ہاتھ یہ کہہ کر دکھایا
ہے کیا مہندی کا اچھا رنگ آیا

کسی نے پنکھیا پھولوں کی لی ہے
کوئی پھلجھڑی لگائے واں کھڑی ہے

کسی سے میں کہار اس طرح کہتے
کہ چلنا گھر کو تم کچھ دن رہے سے

نہیں تدبیر ہے کچھ روشنی کی
اندھیرے میں بہت تکلیف ہو گی

خفا ہو کر وہ بولی نوکروں سے
نکمی ردی، وہ بھونے سو تھے ٹکڑے

کہ سب تم گھر سے خالی ہاتھ آئے
نہ ہرگز لال منّیں ساتھ لائے

کہے لالہ سے اب یہ جا کے کوئی
کہ دستی والا ایک بھجوا دو جلدی

بس سے ایک بی یوں پکاری
یہ ہے آرزو گی بے جا تمہاری

سڑک سیدھی ہے اس میلے سے گھر تک
کنول ہو جائیں گے روشن یکایک

عجب صورت کی ہے خلقت کو راحت
عصا کی یہاں نہیں اندھے کو حاجت

کوئی آپس میں یوں کہتی ہے لوگو
کٹہرے شیر کے چل کے دکھاؤ

کسی سے اس طرح کہتی ہے کوئی
کہ ریچھ اب دیکھنے چلتی ہو تم بھی

وہ کہتی ہے کہ کچھ ہے تجھ کو سودا
درندوں کا بھلا ہے دیکھنا کیا

نہ اپنا پاؤں میں اس جا دھروں گی
اگر میں ریچھ دیکھوں گی ڈروں گی

گئی ہے شیروں کے جنگلے میں کوئی
ہر ایک سے کہہ رہی ہے دیکھو تم بھی

کھڑی بس دور شیروں سے کوئی ہے
جب اٹھتا شیر ہے وہ بھاگتی ہے

کوئی بولی ہیں طرفہ بال ان کے
نہیں ہیں ریچھ اس صورت کے دیکھے

کوئی یہ تذکرہ کرتی ہے تا دیر
یہ ہے نام خدا کیا ہی بڑا شیر

سڑک پر کوئی کسبی پھر رہی ہے
کوئی مشتاق ہر تصویر کی ہے

کوئی کہتی ہے کیا جوگی بنا ہے
اور اس کی خوبصورت کیا جٹا ہے

کوئی بولی ہے کیا محبوب صورت
بنی تصویر ہے کیا خوبصورت

مجھے معلوم بس ہوتا یہی ہے
کہ یہ کچھ منہ سے بولا چاہتی ہے

بنی ہے شیر کی تصویر جس جا
ہے اس کے گرد سب پریوں کا حلقہ

کوئی کہتی ہے دیکھو اس کا نقشا
کہ یہ تو شیر ہے سچ مچ کا گویا

ہے اصل و نقل میں یوں تو بڑا فرق
یہ شیر زندہ سے ہے اس میں کیا فرق

نشست اس کی میں کیا کیا دبدبا ہے
کلیجہ دیکھنے سے کانپتا ہے

کوئی یوں ایک سے کہتی ہے ہنس کر
تماشا ہے کرے حملہ جو تجھ پر

کوئی کہتی ہے بس دیکھا اب آؤ
نہ اتنا شیر کے نزدیک جاؤ

کوئی کہتی ہے کیا بھولی ہے یہ تو
کہ یہ تصویر سے ڈرتی ہے دیکھو

بجا ہے کہئے اگر اس کو پرستان
کہ ہر زینے پہ تھا انبوہ پریاں

یہ کہتی ہے کسی کسبی کی لڑکی
کہ اس بجرے پہ چڑھوا دو مجھے بھی

وہ کہتی ہے تو لے لڑکی ہے واہی
کہاں تو اور یہ بجرا بادشاہی

کوئی کہتی ہے مجھ کو کیوں نہ پیار آئے
ہے کیا نام خدا اچھی بنی گائے

یہ نیچے طہر مجھلی کا نیا ہے
حزیں اس میلے میں دیکھا نہ کوئی
عجب انبوہ تھا اور طرفہ کثرت
تماشا بین آئے تھے سب شاہ بن کر
ہر اک رنگت کی تھی ہر ایک کی دستار
کہا دل سے شباہت یہ دلا ہے
بہت بشاش سب چھوٹے بڑے تھے
سر تالاب تھیں کیا کیا دکانیں
سڑک پر ہاتھیوں کا تھا یہ انبوہ
سڑک پر روز ہی رہتا ہے میلا
کٹوروں کی کھنک ہر چار سو تھی
کوئی کہتا تھا جلدی اس طرف آؤ
نہ کوئی شہر میں ایسا مکاں تھا
امیر آکر کھڑے رہتے تھے اس جا
ہر اک جا ہے دعا بہر شہنشاہ
مُسن جو ہیں وہ بولے با دل شاد
کبھی دیکھا نہ یہ خلقت کا ریلا
رہے یارب سلامت یہاں کا بانی
عجب جا ہے بنائی بادشاہ نے
یہاں سیر اور تماشا جا بجا ہے
کہیں ہے ناچ ہوتا نٹنیوں کا
ہنر دکھلا رہے ہیں سانپ والے
کوئی کٹھ پتلیوں کو ہے نچاتا
کوئی گاتا ہے ساون شاد و خورسند
چلے جاتے ہیں نقلیں کرتے نقال
سڑک پر ہیں کئی جا گر ہنڈولے
خبر لاتے ہیں وہ دونوں جہاں کی

غرض گاؤ زمیں کا یہ پتا ہے
ہر اک جا قہقہے تھے اور چہل تھی
ہر اک زینے پہ تھا انبوہ خلقت
تکلف کے بہت جوڑے پہن کر
ہر اک زینہ تھا جیسے رشک گلزار
کہ گل مہندی کا یہ تختہ کھلا ہے
ہر اک جا خوانچے والے کھڑے تھے
تھیں ہر ایک قسم کی ہر جا دکانیں
کھڑے تھے جا بجا وہ صورت کوہ
پر اس دن تھا عجب خلقت کا ریلا
عجب سقوں کی اس دن آبرو تھی
بہشتا تھوڑا پانی ہم کو دے جاؤ
جہاں سے ہو نہ اس میلے کا سناٹا
بنس کیسی نہ تھا ہاتھی کا رستا
سلامت رکھیو اس خاقاں کو اللہ
ہمیں ہے عہد صفدر جنگ کا یاد
ہوا کب لکھنؤ میں ایسا میلا
یہ تحفہ صاف ہے جنت کا ثانی
کی آباد یہ بستی خدا نے
کسی جا نٹ تماشا کر رہا ہے
کوئی ہے داستاں کہتا کسی جا
کہ یہ ہیں کوڑیالے یہ ہیں کالے
کوئی بے بھاپ کے کھچڑی پکاتا
کوئی توتوں کی ہے کر رہا بند
تماشائی ہیں مثل سایہ دنبال
چڑھے ہیں اس پہ لڑکے بھولے بھولے
زمیں کی گم خبر گم آسماں کی

ہنڈولے یہ خبر دیتے ہیں سب کو
لب تالاب سرکاری ہیں جھولے
ستون ان کے ہیں سرخ اور رتی رنگیں
ہر ایک پینگ اس کے سیر دور دکھلائے
جو اونچا ہو خبر لائے فلک کی
یہ کرتب جھولنے کے ہیں نرالے
نئی ایک جھولے کی یہ شان دیکھی
ب سازندہ اس پر ایک کسبی
عجب انداز اُس جھولے کا دیکھا
وہ خوش آواز تھی جب تان لیتی
ہزاروں وجد میں چھوٹے بڑے تھے
نظر طرفہ وہاں کا حال آیا
وہ جب تک گایا کی خنداں و خورسند
اگر کچھ اور تھوڑی دیر وہ گائے
مبارکباد کی ہر سو صدا تھی
رہے آباد یہ جا، تا بہ حشر
رہے طغیاں پہ بحر جاہ و اقبال
رہے نخل مراد شاہ سرسبز
نمو نخل تمنا کے ہو ہر دن
عدو اس شاہ کا ہو جو بد اعمال
غرض چھپنے لگا جب گردۂ خور
بہت آہستہ آہستہ سواری
تمھیں سرسبز رکھے رب قیوم
تمہارا کام سب حضرت کو بھایا
سلام ایک ایک کا لیتے مسکرا کے
سر تالاب پھر تشریف لائے
ہوئے پیدل تھے جو مجرے کو آکر

ذرا پست و بلند دہر دیکھو
جو جھولے اُس پہ غم دنیا کا بھولے
بڑے بجرے ہیں ان جھولوں پہ رنگیں
کبھی مشرق کو گہ مغرب کو وہ جائے
بلندی سیر دکھلائے فلک کی
زمیں پر رکھ دے کچھ چیز اور اُٹھا لے
بڑی ہے اس پہ چاندی کی پلنگڑی
ٹھماریں اونچے سر میں گا رہی تھی
کہ لاکھوں آدمی کا گرد حلقہ
تو اپنے عاشقوں کی جان لیتی
بشر کیا جانور بھی جھومتے تھے
کہ اکثر صوفیوں کو حال آیا
یہ عالم تھا کہ رستا ہوگیا بند
تو زہرہ اُس کے سننے کو اتر آئے
ہزاروں میں بھی حضرت کو دعا تھی
رہے قائم یہ جلسہ تا بہ محشر
سماں برسات کا شہ دیکھیں ہر سال
گہے پھولے پھلے اور گاہ سرسبز
رہیں شاہ خراساں اس کے ضامن
رہے وہ گھاس کی صورت سے پامال
تو آئے اعظم الدولہ بہادر
تو ان کو دیکھ کر خلقت پکاری
سلیقے کے تمہارے ہے عجب دھوم
ہوا جو حکم جلدی کر دکھایا
نئی ہر ایک تجویزیں بتائے
بہت انتظام وہاں مجرے کو آئے
کہا یہ آپ نے ہر ایک سے ہنسکر

خوشی میری یہی ہے جو لو اسوار
نہیں میلے کے دن پر کچھ مقرر
سدا پہونچے جہاں کو مجھ سے راحت
ہمیشہ ہوتے ہیں گاڑی پہ اسوار
ہوئے جب جلوہ گر پشت فرس پر
ہوئے جب تا ان جاں پر آپ اسوار
جو پیدل ہیں گرے ٹھوکر نہ کھا کے
سواری کے معین ہیں جو اسوار
ہر ایک رستے میں خلقت سے الگ جائے
یہی ہے نیلبانوں پر بھی تاکید
چلو آہستہ تم ہر آن ہر دم
ہے ظرف اللہ اللہ طبع عالی
خوشا رحم اور خوشا یہ بردباری
ملازم پر کبھی غصہ نہ کرنا
سدا تو کرتے ہی عفو تقصیر
بدی مطلق طبیعت میں نہیں ہے
بھلائی خلق کی دن رات کرتے
سمجھتے ہیں جسے مردود سرکار
بدی کے متصل رہتے نہیں ہیں
کسی نے گر کیا کچھ عرض مطلب
کہا اس کا جواب اس دم تمہیں دوں
علیم اس بات کا ہے رب علام
جو حلم اور خلق ان میں اس قدر ہے
ہوئی تعلیم حضرت کی نگاہ سے
حدیثیں دیکھ لے کچھ ہو جسے شک
ہر ایک کا کام کرتے ہیں جو بالشد
غلام اچھا ہو آقا ہو اگر نیک

چلو پیدل نہ میرے ساتھ زنہار
ہمیشہ کہتے ہیں سوگند کھا کر
نہ مجھ سے ہو کسی کو بھی اذیت
نہیں ساتھ ایک کو دوڑاتے زنہار
نہ آیا دھیان کیوں پہونچا نہ جا کر
کہاروں سے کہا دوڑو نہ زنہار
میری صورت سے بنے ہیں خدا کے
یہی تاکید ہے ان سب پہ ہر بار
کسی کو راہ میں دھکا نہ لگ جائے
یہی رہتی ہے ہر جا کر یہ تہدید
رہے پیدل کا تم کو دھیان ہر دم
سنی میں نے نہ گالی منہ سے نکالی
چنور بردار یک دی ہے سواری
خطائیں دیکھنا اور در گذرنا
کسی مجرم کو دی ہرگز نہ تعزیر
غرور و عجب طینت میں نہیں ہے
ہر ایک انسان سے ہنس کر بات کرتے
یہ اس کے نام سے رہتے ہیں بیزار
سوائے خیر کچھ کہتے نہیں ہیں
ٹھہر کر شاد ہو ہو کر سنا سب
کہ جب میں بادشہ سے عرض کر لوں
نہ پوچھے کیا حضرت کے کچھ کام
یہ شہ کی خانہ زادی کا اثر ہے
یہ سب باتیں ہیں سیکھی بادشاہ سے
اثر صحبت کا ہو جاتا ہے بیشک
اثر ہے صحبت شہ کا یہ بالشد
اسی خورشید کے ذرے ہیں یہ ایک

زبس ہے نیک حضرت کی طبیعت
نہ کیوں اچھے ہوں سب ارکان دولت

گذر بد کا نہیں سرکار میں ہے
برا کوئی نہیں دربار میں ہے

کہوں میں بادشہ کے وصف کیا کیا
کسی نے بادشاہ ایسا بھی دیکھا

خدا رکھے بہت شہ کو سلامت
سدا منظور ہے خلقت کی راحت

جو شاعر ہیں تو ان کو ساری خلقت
ہمیشہ کذب سے دیتی ہے نسبت

زبس سب شاعروں کا ہے یہ معمول
کہ دیتے ہیں یہ تھوڑی بات کو طول

ہمارے شاہ میں ہیں اس قدر وصف
بہت ہو طول کم لکھئے اگر وصف

سمجھتے وہ ہیں عالی جن کا ہے ظرف
نہ مدح شاہ میں ہو کذب کا صرف

سخن گو اس پہ سب کھاتے قسم ہیں
جو کہئے وصف شہ کے ہیں وہ کم ہے

جو کیجئے مدح ہے خاقاں کے لائق
انھیں کے عہد میں شاعر ہیں صادق

یہی دلگیر معمول اب میرا ہے
دعائے شہ کے بعد از یہ دعا ہے

رہے سرکار شاہی کا یہ مختار
زیادہ اعظم الدولہ پہ ہو پیار

مناجات بدرگاہ باری عز اسمہ در دعائے بادشاہ خلد اللہ ملکہ وخاتمہ

خدایا بندۂ مجرم ہے دلگیر
غلام شہ ہے اور مداح شبیر

دعا میں اس کی تو جلدی اثر دے
یہ مطلب ہے روا تو اس کو کر دے

ابوالفتح معین الدین شہنشاہ
رہیں محشر تلک با حشمت و جاہ

بنائے سینکڑوں ہیں چاہ و تالاب
عمارات حسین و خوب و نایاب

رہیں سب اس کی چوکھٹ پر جبیں سا
ہر ایک قصر اس کا ہو عرش بریں سا

جلو خانے میں ہو فوجوں کا ریلا
رہے مجرائیوں کا روز میلا

حسین آباد سے ہے زیب اسلام
عجب جا ہے عجب جلوہ عجب نام

بنائے مجلس سرور ہے جب تک
عزا خانہ رہے آباد تب تک

میرا بھی شاہ کے صدقے سے ہے نام
سدا حضار مجلس ہے میرا کام

مجالس کا مجھے شوق دلی ہے
تو اس کی مجھ کو لذت بھی ملی ہے

حسین آباد میں آتا ہوں جس دم
تو سارے بھول جاتے ہیں مجھے غم

مجالس میں ہے گذری عمر میری
قبولیت کہیں ایسی نہ دیکھی

وہاں جانے کا چکا ہوئے معمول — دعا جو مانگے وہ فوراً ہو مقبول
دعا میں نے وہاں جو مانگی جا کر — وہ کی اللہ نے مقبول اکثر
یہ دیکھا اعظم الدولہ کا معمول — دعائے شہ میں دعا گو مردم ہیں مشغول
ضریح شہ کی جانب ہاتھ اٹھا کے — دعا یوں ہے یہ فقرے ہیں دعا کے
برائے زیب اورنگ امامت — الٰہی بادشہ کو رکھ سلامت
ہوئی تاریخ کی جب مجھ کو تدبیر — ندا ہاتف کی یوں آئی کہ دستگیر
وہ ایک تاریخ جو پہلے کہی ہے — سو وہ اس مثنوی کے وزن کی ہے

قطعہ جو شہ کو گذرانا ہے پہلے
اسے بھی اس کے آخر میں تو لکھ دے

قطعۂ تاریخ گذرانیدہ سابق

دم تحریر نام شاہ والقاب — زمیں بوسد قلم از فرط آداب
الٰہی باغ اقبال ابوالفتح — ز افضال تو دائم باد شاداب
زمانش مشکل عالم شود حل — ز ذکرش تا ابد یابد جان بیتاب
الٰہی ماند ایں خاقاں سلامت — بہر یک بحر تا ماند رواں آب
بصحت ماند و با تندرستی — ہمیں دارد دعا ہر شیخ و ہر شاب
شدہ طیار تالاب مثمن — بفرمان شہنشاہ خوش القاب
یکے حوض و دوم نہر مصفا — کہ مثل گوہر آبش ہست نایاب
سیوم چاہ کلاں تالاب چارم — کہ وضع آں بعالم ہست نایاب
بحسن و لطف پنجم چاہ مسجد — کہ کو فر گفتنش باید ز آداب
غرض ہر یک ازیں از روئے خوبی — نظیر خود نہ دارد تا بہ پنجاب
تردد داشتم در فکر تاریخ — خرد گفتا ز من در عالم خواب

بخواں ایں مصرع تاریخ دلگیر
بنا نمودہ شاہنشاہ تالاب

۱۲۵۶ ہجری

مثنوی در مدح امین آباد

(حمد)

قلم سجدہ کرے گر لاکھ باری / نہ شمہ لکھ سکے یہ حمد باری
ہے ادنیٰ صنعت صانع بیچوں / بنائے بے ستوں یہ سقف گردوں
جو کیجئے غور یہ بے در محل ہے / غرض کیا صنعتِ حق بر محل ہے
یہ سب پر ہے عیاں ذات الٰہی / ہے مختار سپیدی و سیاہی
عیاں ہر رنگ سے ہے صنعتِ حق / نمایاں ہر طرح ہے قدرتِ حق
ہے اس کے حکم کو ہر رنگ میں دخل / کیا سرسبز اسی نے ہے ہر اک نخل
بہار اور حکم میں اس کے خزاں ہے / عجب باغ جہاں کا باغباں ہے
کسی کا رنگ سرخ اس نے بنایا / کوئی گل زرد رنگ اس کو خوش آیا
اسی کے تابع فرماں ہیں بالکل / جو وہ چاہے کوئی غنچہ نہ ہو گل
حقیقت میں اگر وہ منع فرمائے / خزاں ہرگز نہ باغ دہر میں آئے
نہ آنے کو اگر ہو حکم باری / نہ آئے حشر تک باد بہاری
سیہ ہر رات کا دامن کیا ہے / گریبانِ سحر روشن کیا ہے

اسی نے بھیجا ہے ہر ایک مرسل
عیاں اس نے کیا آدم کو اول

(در نعت)

محمد کا تھا پہلے نور ظاہر / اسے ظاہر کیا خالق نے آخر
نہ کیونکر نام احمد کی ہو تعظیم / بڑھا جائے احد گر لکھئے بے میم
یہ ہے تعریف اس نور احد کی / کہ ہر مرسل کی مشکل میں مدد کی
حبیب حق ہے اور خیر الوریٰ ہے / بلاشک افتخار انبیا ہے
فدا اس کا خدا کا ہے وہ عاشق / کہ ہے اس باب میں قرآن ناطق
عیاں اعجاز اس سے سربسر تھا / کہ ادنیٰ معجزہ شق القمر تھا
یہ باعث ہے نہ تھا حضرت کا سایہ / سیہ تھا جسم عالم میں در آیا

لہ یہ مثنوی رام پور کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اور اس کا عنوان "مثنوی کاطرب" ہے ۔ ہم بشکریہ ڈاکٹر سید سلیمان حسین صاحب کتاب ہذا میں شائع کرتے ہیں ۔ (اکبر حیدری)

کیا میں نے سوال ایک دن خرد سے ‏ ‏ ‏ کہ سایہ کیوں نہیں قد نبی کے
کہا وہ نور رب العالمیں ہے ‏ ‏ ‏ سمجھ تو نور میں سایہ کہیں ہے
بلا شک سایۂ حق تھے پیمبرؐ ‏ ‏ ‏ بجائے سایہ تھے ساتھ ان کے حیدرؑ
شب معراج کا ہے حال ظاہر ‏ ‏ ‏ جو اس میں شک کرے بے شک ہے کافر
فلک پر پائی عزت ہر جگہ نے ‏ ‏ ‏ گئے تھے عرش پر نعلین پہنے
نہ پوچھو ان میں اور حق میں تھا کیا فرق ‏ ‏ ‏ خدا کہتا ہے تھا قوسین کا فرق
عیاں ہے جانتی ہے سب خدائی ‏ ‏ ‏ علی تھے احمدؐ مرسل کے بھائی
رہا دنیا میں خالق سے سدا وصل ‏ ‏ ‏ محمدؐ کے وصی ہیں وہ بلا فصل
نبیؐ کے بعد وہ فخر عرب تھے ‏ ‏ ‏ نبیؐ کے معجزے حیدرؑ میں سب تھے
ہوا یوں بت شکن خویش پیمبرؐ ‏ ‏ ‏ کہ رکھا تھا قدم دوش نبی پر
سبھوں نے عقدۂ مشکل کئے حل ‏ ‏ ‏ علی کا نور تھا آدم سے اول
ہے کیا ہی مرتبہ اللہ اکبر ‏ ‏ ‏ خدا نے تیغ دی احمد نے دختر
نبیؐ سے گفتگو جب حق نے کی تھی ‏ ‏ ‏ عیاں پردے سے آواز علی تھی
کہوں کیا مرتبہ خیر النساء کا ‏ ‏ ‏ سراپا نور تھا اس میں خدا کا
کنیز حضرت زہرا تھی مریم ‏ ‏ ‏ بلا شک تھیں وہ اعجاز مجسم
عبادت میں بسر کی اپنی اوقات ‏ ‏ ‏ ضرورت کے سوا ہرگز نہ کی بات
سدا تھا زیب رخ عصمت کا غازہ ‏ ‏ ‏ نہ دیکھا غیر محرم نے جنازہ
اُسے اولاد جب بخشی خدا نے ‏ ‏ ‏ تو جبرئیلؑ آئے تب جھولا جھلانے
ثنا اس کی کرے کیا کوئی انساں ‏ ‏ ‏ خدا ہے بنت احمدؐ کا ثنا خواں
خدا نے نور سے کی اس کی خلقت ‏ ‏ ‏ بنائی نور سے زہرا کی جنت
عجب تعریف ہے خیر النساء کی ‏ ‏ ‏ کہ وہ تعریف ہے نور خدا کی
شفاعت کا کیا مختار بالکل ‏ ‏ ‏ دیا جود و سخا صبر و تحمل
ہوئی جس شخص سے خیر النساء خوش ‏ ‏ ‏ خدا خوش اس سے ہے خیر الوریٰ خوش
خرابی حشر میں ہے اس شقی کی ‏ ‏ ‏ خفا جس سے وہ تھی بیٹی خدا کی
لکھے جب رتبہ شبیرؑ و شبرؑ ‏ ‏ ‏ قلم نے دی صدا اللہ اکبر
ہر اک سے فخر و عزت میں بڑے ہیں ‏ ‏ ‏ کہ دونوں دوش احمدؐ پر چڑھے ہیں
سخی کے لاڈلے دونوں سخی ہیں ‏ ‏ ‏ مجاہد ہیں ولی ہیں متقی ہیں

بھلا یہ مرتبے ان کے ہیں تھوڑے
کہ بھیجے عید کے دن حق نے جوڑے

ولا ان کی ہے فتح الباب جنت
ہیں دونوں سید شباب جنت

سدا ان کی دعا کی حق نے مقبول
کہ اک مسموم ہے اور ایک مقتول

ہر اک چشم و چراغ فاطمہ ہے
اور ان پر مومنوں کا خاتمہ ہے

معزز تھے وہ درگاہ خدا میں
ہر اک نے جان دی راہ خدا میں

ولا عابد سے لے کر تا محمدؐ
برابر سب ہیں نور العین احمدؐ

برابر سب ہے آئمہ کا رتبہ
اگر ہے فرق تو چھوٹے بڑے کا

ہے ان کا رتبہ اور پایا برابر
سلام حق انھیں آیا برابر

در مدح بادشاہ

پلا ساقی شراب حب حیدرؑ
کروں تعریف شاہ خلق پرور

زہے امجد علی خاقان دوراں
ہزاروں جس کے ہیں دادا سے درباں

بر اوج سپہر کامگاری
در یکتائے تاج شہریاری

قمر شوکت فلک رفعت ملک قدر
رخ پر نور خاقان غیرت بدر

زہے جود و سخائے شاہ عادل
کہ واصف ہر چمن میں ہے عنادل

بجا شمس فلک کی تھرتھری ہے
کہ تیغ دست خاقان حیدریؑ ہے

سلیماں کی انگوٹھی پر کھدا تھا
یہ نام اطہر و امجد علی کا

یہ عدل شہ کا ہر گلشن میں ہے غل
صبا سے ہو نہ برہم زلف سنبل

یہی کہتے ہیں سب گبر و مسلماں
ہوا ہے اور نہ ہوگا ایسا خاقاں

رعیت پرور و انصاف گستر
محب احمدؐ و ساقیؑ کوثر

سخاوت کی ہے روم و شام تک دھوم
نہیں شہ کے کرم سے کوئی محروم

یہی نیت میں ہے اس با سخا کی
ہے راحت سے سب خلقت خدا کی

ملا ہے سر بسر خلقت کو آرام
نہیں مفسد کا ہرگز شہر میں نام

رہے پاس رسول و خوف باری
کہ کی خمس و زکات اس شہ نے جاری

دعا اللہ سے ہے میری ہر دم
رہے قائم یہ خاقان معظم

طفیل پنجتن با عزت و جاہ
رہے یارب سلامت یہ شہنشاہ

در مدح وزیر

وزیر عصر ہے خیر مجسم   امین الدولہ دستور معظم
سخی و منصف و عالی ہمم ہے   خلیق و با مروت باکرم ہے
دم تحریر نام نیک و القاب   زمیں بوسد قلم از فرط آداب
بدی ہرگز طبیعت میں نہیں ہے   غرور و عجب طینت میں نہیں ہے
بھلائی خلق کی دن رات کرتی   ہر ایک انساں سے ہنس کر بات کرتی
بخیلی سے ہے طبیعت ایسی بیزار   کہ خوش آتی نہیں خمدار تلوار
ہمیشہ دست ہمت ہے گہربار   کہ نیساں چومتی ہے ہاتھ ہر بار
زمیں فیض اس سے ہے خورد و کلاں کو   غرض سارا زمانہ ہے دعاگو
جہاں میں اس کے دم سے روشنی ہے   گدا آیا تو پھر دم میں غنی ہے
وزیر شاہ کا ہے ایک سا دل   کہ عادل ہے وزیر شاہ عادل
سخاوت بسکہ دستور سخی ہے   سخی بے شبہ دستور سخی ہے
علی کا واسطہ اس دم دلا کر   تو اے دلگیر حق سے یوں دعا کر

ہمیشہ نیر حشمت ہو تاباں
عدو جو ہو وہ ہو خوار و پشیماں

در مدح امین آباد

امین آباد کی لکھتا ہوں تعریف   ہے بے شک وہ جگہ شایان توصیف
ثنائے او بعالم فرض عین است   بنائے آں ز امداد حسین است
جو دیکھیں خواب میں وسعت یہ بازار   تو جان و دل سے ہوں اس کے خریدار
نہ اس بازار کو بازار کہیے   اگر کہیے تو پھر گلزار کہیے
کہوں میں کیا وہ دکانوں کے قرینے   نہ جلوے دیکھے یہ اب تک کسی نے
مہیا ہے مکانوں میں ہر اک شے   کوئی شے لطف سے خالی نہیں ہے
نہ پوچھو مجھ سے بزازی کا عالم   کہ اس میں خوش قماشی ہے فراہم
گندہ وال سے جو ہو نواب کا ہیں   ہو پا انداز اگر چرخ اطلس
کوئی دیکھے وہاں گر لطف کمخواب   تو فرط شوق سے پھر آئے کم خواب

کوئی دیکھے جو صرافہ جہاں ہے — تو مملو سیم و زر سے ہر دکاں ہے
نہیں کھوٹے کا دخل اس جا ذرا ہے — جو اس بازار میں ہے سو کھرا ہے
ہیں اک جانب کو حلوائے مسلماں — بھری شیرینی سے ہر ایک دکاں
کہیں یہ ہے دکان نانبائی — ہر اک شے اس دکاں کی دل کو بھائی
جہاں سب پھول والوں کا ہے بازار — حقیقت میں عجب تختہ ہے گلزار
بساطی کی دکانیں اک طرف ہیں — ہزاروں مشتری واں زر بکف ہیں
سلاح بازار میں ہتھیار نایاب — ہر اک سے تیز تر ہے حکم نواب
وہاں انبار ہے خلقت کی بہبود — سوائے ظلم ہر ایک شے ہے موجود
جو کوچہ ہے وہ دولت سے بھرا ہے — وزیر ہند کی دولت سرا ہے
جلو خانہ میں وسعت اس قدر ہے — کہ گویا سب جہاں پیش نظر ہے
وہ دولت خانۂ نواب اس شان — کہ ہے اقبال دائم جس کا درباں
اگر رفعت کو دیکھے کوئی یک بار — تو تھامے ہاتھوں سے خورشید دستار
ہر اک سقف اس کی سقف آسماں ہے — ستارا ہے جو اس کا جادواں ہے
در جنت سے ہر در ہے مشابہ — صفا سے آب کوثر ہے مشابہ
بجا ہے کہیے گر معمورۂ نور — منور ہے بسان سورۂ نور
صفائی اس قدر عالم کو بھائی — نظر پھر کر نہیں آنکھوں میں آئی
بجا ہر اک مکاں کا ہے قرینہ — ہر اک زینہ ہے واں موتی کا زینہ
منبت حسن سے خالی نہیں ہے — فدا ہر نقش پر نقاش چیں ہے
منقش سقف کا عالم کہوں کیا — کہ بھولا ہے وہ اک پھولوں کا تختا
اگر بہزاد و مانی دیکھنے آئیں — تو پھر حیرت سے آنکھیں چھت کو لگ جائیں
مشابہ باغ سے ہے سقف بالکل — کہیں بوٹے کہیں پتے کہیں گل
جو وہ فرش سفید اس کو نظر آئے — بلا شک چادر مہتاب شرمائے
بچھی واں مسند پر زر کہیں ہے — وہ مسند تکیہ گاہ مومنیں ہے
جہاں کو تکیہ ہے اس باسخا پر — کسی کو ہے فقط تکیہ خدا پر
عجائب نور کے ہیں شیشہ آلات — برابر ہے ضیا ان سب میں دن رات
فتیلہ چاہیے ان کو نہ روغن — ہیں دن کو بے چراغ و شمع روشن
ہوئے گر شب کو روشن حسب دستور — تو ہر اک ہو گیا نور علی نور

جو جھاڑ استادہ ہر جا گرد حرے ہیں
تو وہ نور ضیا سے سب بھرے ہیں

ملک کہتے ہیں یوں چرخ بریں پر
یہ نخل نور ہیں سطح زمیں پر

دہر میں جو فرش پر مرد نگیاں ہیں
چراغ طور ان سب سے عیاں ہیں

بہت سے نصب ہیرے کے کنول ہیں
رکھے ہر ایک جہاں پر برمحل ہیں

غرض کیا فضل رب العالمیں ہے
رفیع القدر اس گھر کا مکیں ہے

بنائی ہے خدا نے تن سے جاں خوب
مکیں سے ہو نہیں سکتا مکاں خوب

اثر کا تو یہاں ہے ذکر بے کار
کہ وہ لاریب رشک تھے نور غفار

خدا کے اور جو بندے ہوئے نیک
غرض ان اچھوں میں نواب ہیں ایک

لکھو یہ آب زر سے قول میرا
جو اچھا ہوگا وہ ایسا ہی ہوگا

سنا کب دوسرا نواب سا ہے
سخاوت کا اثر کے بستہ ہے

جو ہے نواب کے آنے کا رستہ
شجاعت واں کھڑی ہے دست بستہ

یہی حب محمد کا ہے جلوہ
ولائے آل احمدؐ کا ہے جلوہ

غلام اچھا وہی ہے بندہ پرور
کہ جو ہو ٹھیک آقا کے چلن پر

وزیر ایسا نہ دیکھا کوئی واللہ
نہ ان اوصاف و خوبی کا شہنشاہ

رضا جس امر میں ہے بادشاہ کی
اسی میں ہے خوشی اس باسخا کی

نہ اپنے جسم کا نہ جاں کا ہے دھیان
ہر ایک دم راحت خاقاں کا ہے دھیان

خاتمہ بر دعا

دعا پر ختم کر دگیستہ تو اب
دعا مقبول میری ہو یہ یارب

الٰہی یہ شہنشاہ معظم
رہے باحشمت و اقبال ہر دم

وزیر عصر کا برتر رہو بابا!
رہے چودہ تنوں کا اس پہ سایا

مرے نواب کا ہو جو کہ بدخواہ
وہ غارت ہووے جلد اے میرے اللہ

قطعہ

تری درگاہ سے اے رب غفار
زیادہ اور کمی کا ہوں طلب گار

وزیر عصر کا افزوں حشم ہو
جو دشمن ان کا ہو دنیا سے کم ہو

ہمیشہ چاہتا ہوں یا الٰہی
میں اک چاہ روشنی اک جا سیاہی

وزیر عصر کا ہو نام روشن
سیہ رو ہو جہاں میں اس کا دشمن

مقطعات

قطعۂ در تہنیت عید سعید تولد جناب رسالت مآب

جہاں میں آج کی یہ عید سب عیدوں سے بہتر ہے
بجا عز و شرف سے عید مولود پیمبر ہے

بنا قائم ہوئی اسلام و دیں کی آج دنیا میں
نگوں بُت ہر طرف کو نعرۂ اللہ اکبر ہے

محمدؐ حق کا عاشق اور خدا عاشق محمدؐ کا
شہنشاہ دو عالم عاشق و معشوق داور ہے

سبب ظاہر ہوا یہ آپ کے سایہ نہ ہونے کا
ازل سے سایۂ احمدؐ کا ہمارے بادشہ پر ہے

ابوالفتح و معین الدین رہے محشر تلک قائم
یہ شاہنشاہ عادل ہے سخی ہے خلق پرور ہے

زلال فیض سے اُس شاہ کے سیراب ہے عالم
یہ تاثیر ولائے حضرت ساقئ کوثر ہے

شکوہ و دولت و جاہ و حشم میں یہ شہ دوراں
سلیماں وقت کا اپنے ہے اورنگ سکندر ہے

ولائے پنجتن سے آب حیواں ہو گیا حاصل
سکندر نے نہ جو پایا تھا وہ شہ کو میسر ہے

سما ہے جوش جود و کرم پر رغبت حضرت
وہی زیور پسند آیا ہے جو مردوں کا زیور ہے

حضور قلب سے اب بادشہ کو یہ دعا کر تو
دعا اس سے بھلا کب کوئی اے دلگیر بہتر ہے

مبارک شہ کو ہو یہ عید اور قائم رہیں تب تک
کہ قائم جب تلک آفاق میں دین پیمبر ہے

رہے تابندہ نجم حشمت و اقبال حضرت کا
جہاں میں جب تلک تابندہ یہ مہر منور ہے

قطعۂ دعائیہ

اے شہنشاہ زماں زیب دہ تاج و سریر
ہر کہ گردید بگرد در تو گشت امیر

ترسد از برش شمشیر تو مریخ بچرخ
لرزد از کوکب اقبال تو خورشید منیر

آنچہ باشد بضمیر تو ظہورش باشد
دائما تابع تدبیر تو بادا تقدیر

حق دہد عمر خضر حشمت جمشید ترا
حکم نافذ چو سکندر بود و عالمگیر

از زمیں تا بہ فلک نیک تجسس کردم
ہمچو خورشید کسی نیست ترا شبہ و نظیر

نام کسریٰ ز جہاں محو نمودی از عدل
شیر را مے دہد از حکم تو بز دائم شیر

نبیؐ و آل نبی حافظ جانت باشند
روز و شب حضرت عباس علی باد نصیر

یارب ایں شاہ ابوالفتح بہ دنیا ماند
با شکوہ و شرف و حشمت و جاہ و توقیر

شاد باشند غلامان وے و اعدا خوار
ایں دعا ہست ز دلگیر خدایا بپذیر

در تهنیت عید قربان

بشگفد غنچهٔ امید هوا خواه قدیم
که هوائے کرم شاه کند کار نسیم

هر که امشب جد شاه ابوالفتح مقیم
مے زند طعنه بقارون ز وفور زر و سیم

بجز این وصف شهنشاه چه آید بزبان
که کریم است و کریم است و کریم است و کریم

گنج قارون بے یک لحظه کفایت نکند
مستعد گر شود این شاه برائے تقسیم

چون نه من رتبه در بانش رضوان پرسم
خانهٔ باغ شه ماهست به از باغ نعیم

پیش شه طفل دبستانست فلاطون در عقل
تا ابد باید ازین شاه ارسطو تعلیم

از قلمرو شده موقوف صدائے ناقوس
حال دینداری این شاه چه سازم ترقیم

بهر هر میکده و بتکده حکم تخریب
بهر هر مسجد و هر مدرسه حکم ترمیم

روز و شب بهر شهنشاه دعا کن دگیر
که بود زیر نگین شه ما هفت اقلیم

عید قربان شهنشاه مبارک باشد
باد بیشش قدمش ذبح غنم مثل غنیم

حافظ گلشن اقبال ابوالفتح بود
پدر فاطمه نخل چمن ابراهیم

چتر افضال خدا باد بفرقش تا حشر
باشد از خسرو ما زینت تاج و دیهیم

در تهنیت عید ولادت جناب امام حسن علیه السلام

حبذا شان ابوالفتح شهنشاه زمن
همت حیدر کرار در و خلق حسن

پیش دست کرم شاه کفایت نکند
سایل از دست اگر دام بگیرد دامن

ملک این شاه چو در خواب به بیند یوسف
از دل خویش فراموش کند یاد وطن

از زلال کرمش جمله جهان سیراب است
هست بر شه کرم بادشه تشنه دهن

دائما باغ جهانست ز عدلش آباد
نام وے کس نشنیده است نه ذکر بهمن

مرد شیر خدا بهر معین الدین است
هر غلامش بجهان چون نبود شیر افگن

رصدے ساخته طیار عجائب بزمین
موجد طرز جدید است ته چرخ کهن

عید امروز مبارک بشهنشاه بود
متولد شده امروز آ فاق حسن

اے خدا باد دعایم با جابت مقرون
باد هر لحظه فزون اوج شهنشاه زمن

باد هم زیر نگین شه ما هفت اقلیم
دائما نام ابوالفتح بماند روشن

حاسد گلشن اقبال بجو گردد باشد
تیره رو باد درین باغ برنگ سوسن

خانهٔ سلطنت آباد کنون بعد دعا
عرض اینست که دیگر ندارد مسکن

در تہنیت عید چہاردہم شعبان

شہنشہی بخدیو زماں مبارکباد ‏ ‏ باوج وجاہ و حشم ہر زماں مبارکباد
بلند نامی شہ باد تا بہ نوبت حشر ‏ ‏ بہ بندگان تو طبل و نشاں مبارکباد
بباغ عمر تو گاہے نشود نہ دخل خزاں ‏ ‏ مدام ایں چمن بے خزاں مبارکباد
مدام آل قرا یوسف[1] از تو یابد فیض ‏ ‏ تو سالار یاست ایں کارواں مبارکباد
غریب پروری و عدل گستری ہر دم ‏ ‏ بشاہ فخر انوشیرواں مبارکباد
بسان خضر جناب تو دائما باشد ‏ ‏ جلوس تخت شہے جاوداں مبارکباد
زعدل بشاہ نخواہد رسید آسیبت ‏ ‏ فروغ ماہ بتو اے کتاں مبارکباد
شود بسال دگر حکمران ہفت اقلیم ‏ ‏ بشہ ولادت مہدی چناں مبارکباد
شب برات بشب صبح عید مولود است ‏ ‏ شود خجستہ بشہ این و آں مبارکباد
مدام شاہ ابوالفتح را شہنشاہی ‏ ‏ بعیش و عشرت و امن و اماں مبارکباد
شود خجستہ بپائے تو مسند شاہی ‏ ‏ بفرق ظل خدائی جہاں مبارکباد

دعا ہمیں ست کہ دیگر تا ظہور امام
مدام عید بشاہ زماں مبارکباد

در تہنیت عید غدیر

بجز ایں قلم چہ نگارد ثنائے تاج و سریر ‏ ‏ یکے چو مہر درخشاں دوم چو ماہ منیر
برائے شاہ ابوالفتح نام زیبندہ است ‏ ‏ ظفر بقبضۂ تیغش بقبضہ اش شمشیر
خوشا سحاب گہربار دست شاہنشاہ ‏ ‏ کہ روز و شب گہر افشانست مثل ابر مطیر
بعدل و جود جناب تو ہست بے مانند ‏ ‏ بعدل غیست عدلیت بجود نیست نظیر
ز نور فیض شہنشاہ روشن است جہاں ‏ ‏ بسان مہر ضیائے سخا است عالمگیر
زہے سخاوت حضرت کہ در تمام جہاں ‏ ‏ نشاں نماند ز سائل کسے نیافت فقیر

---

[1] قرا یوسف۔ قرا محمد ترکمان قبیلہ قرا قونیلو کے بانی تھے۔ ان کی حکومت کا دار الخلافہ وان تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا قرا یوسف تخت سلطنت پر بیٹھا وہ بڑا طاقتور بادشاہ تھا۔ امیر تیمور (متوفی ۸۰۷ھ ہجری) کی وفات پر سلطان احمد جلایر حاکم بغداد پر فتح پائی اور اس کو قید کر کے ۸۱۳ھ ہجری مطابق ۱۴۱۰ء میں موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد ایک لاکھ کی فوج جمع کر کے شاہ رخ (متوفی ۸۵۰ھ ہجری) ابن امیر تیمور پر حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف تھا لیکن موت نے مہلت نہ دی کہ اسی اثنا میں ۸۲۳ھ مطابق ۱۴۲۰ء میں ہیضہ کی مہلک بیماری سے وفات پائی۔ (مفتاح التواریخ ص ۱۳۰)

ثنائے حضرت اعلیٰ کجا زبانت کو   برائے شہ زتہ دل دعا بکن دگیت

بعیش وعشرت وجاہ وجلال وشان وشکوہ   شود بشاہ مبارک ہزار عید غدیر

مدام باد جہاں زیر سایۂ قدمش   بود تبارک شہ سایۂ جناب امیر

بزیر سایۂ شہ شاہزادہ ہا باشند   بحشمت وبشکوہ و بعزت و توقیر

مدام نیر اقبال شہ درخشاں باد   زفضل احمد مرسل زلطف حی قدیر

قلیل عمر نصیب عدوئے شاہ شود

رسد بپارگہش از جہاں خراج کثیر

در تہنیت عید سیوم شعبان ولادت جناب سید الشہدا[1]

مہر پر نور کہ بر اوج فلک رخشانست   نورش از پرتو رخسار شہ ذی شانست

از گہر دامن امید جہاں شد مملو   شاہ ابوالفتح کہ ابر کرمش نیسانست

شہر از عدل شہنشاہِ جہاں شد آباد   اے خوشا رحم کہ ویرانہ بہر زندانست

اضطراب است بہر ذرہ ز پائے تو سن   مہر از ہیبت تیغش بفلک لرزانست

ہمہ اقبال وظفر را بحضور شش دیدند   کہ یکے غاشیہ بردار و دوم دربانست

تازہ شد از کرم شاہ زماں رسم خلیل   کہ جہاں بر سر خوان کرمش مہمانست

ناصر شاہ شہ یثرب و بطحا باشد   ایں دعا می کند آنکس کہ بادیانست

بشہنشاہ ابوالفتح مبارک گرداں   یارب امروز کہ عید سیوم شعبانست

باغ اقبال شہنشاہ بماند شاداب   تاکہ گل در چمنستان لب خندانست

یارب ایں شاہ بصد جاہ وسلامت ماند   تاکہ ایں دین رسولؐ و بجہاں قرآنست

تا ابد نام شہنشاہ بماند روشن   تاکہ روشن بجہاں نام شہ مردانست

---

[1] سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کا خطاب ہے۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۳ شعبان ۴ھ ہجری کو واقع ہوئی۔ تاریخ ولادت "سرورِ دین" ہے۔ یزید بن معاویہ نے آپ کو ۱۰ محرم ۶۱ھ ہجری کو حصول بیعت کے انکار پر میدان کربلا میں شہید کیا۔

تاریخ شہادت سے باں سخن سنجان وہاں معنی شناس   از شما انصاف وازما التماس

مولوی روم سال کربلا   الحق از الہام گفتہ برملا

کربلا را من بگویم واقعات   آہ بیرون آمدہ از اسم ذات

تہر یعنی تفتہ دل حاتم ہی   آنکہ چشم مہر دارد از علی

تازہ تاریخ حسینش یافت وائے   چوں برآمد از محمد ہائے ہائے (دیوان قمر ۴۶)

شاد شو شاد بایں بخت رسا اے دلگیر
کہ بحال تو نگاہِ کرمِ سلطانست

در تہنیت عید

بر سرِ مسندِ شاہی قدمِ شہ چو رسید — خلق را خانۂ امید منور گردید
دیدۂ خلق جز انصاف دریں عہد ندید — گم شد از دہر چناں ظلم کہ گوشے نشنید
انتہائے فلکِ جودِ ابو الفتح نیافت — طائرِ عقل رسا گرچہ بسرِ عرش رسید
عدلِ شہ بہرِ درِ ظلم و جفا باشد قفل — کرمِ شاہ پئے قفلِ درِ رزق کلید
ایں شہنشاہ اگر عزمِ سواری سازد — یک طرف فضلِ خدا باشد دیگر سو تائید
شدہ آسودہ چناں خلق ز جود و کرمش — کہ بجز صوم کسے گرسنہ در شہر ندید
نیست شخصے بجہاں آنکہ نشد مالا مال — ایں قدر اہلِ جہاں را زر و خلعت بخشید
ہر کہ در سایۂ شاہ آمدہ آں سلطاں باشد — از ہمیں رشکِ ہما گوشۂ عزلت بگزید
ہاتفِ غیب ندا کرد پئے شاہنشاہ — کہ مبارک شود ایں عہد و ہمایوں ہر عید
روزِ عید است پئے شاہ دعا کن دلگیر — کہ بود بر سرِ شہ سایۂ اللہ مجید
سرخرو پیشِ خدا باشد و سرسبز بخلق — از طفیلِ شہِ مسموم و شہنشاہ شہید

حاسدِ سلطنت و حشمت و جاہ و اقبال
تا ابد باد معذب صفتِ روحِ یزید

در تہنیت عید ولادت جناب سید الشہدا

کرد چوں وصفِ شہنشاہ ابو الفتح رقم — ز زمیں تا فلک از فخر بنالید قلم
اے زہے رتبہ و توقیرِ جنابِ اقدس — کز ازل چرخ شدہ از پئے تعظیمش خم
آنکہ تاجِ لقبش نامِ محمد باشد — پیشِ او کفر بود ذکرِ سخائے حاتم
نگہِ مہر شود خیرہ بہ ہنگامِ نگاہ — گر ز افلاک بہ بیند بہ لوائش پرچم
درج در چوں نشود کاسۂ دریوزہ گراں — ہمت ہر لحظہ گہر ریز چو آں ابرِ کرم
ہمدمِ گاو شود شیر بعہدِ عدلش — بود از نصفتِ او گرگ نگہبانِ غنم
خادمِ خاص ز کسریٰ است بعزت افزوں — قیصرِ روم بتوقیر ز دربانش کم
بخشیِ فوجِ ظفر صاحبِ دیوانِ حشم — در حضورش بود اقبال وزیرِ اعظم
حبذا نامِ مبارک کہ معین الدین است — از جلوسش شدہ آئینِ نبی مستحکم
یارب ایں عید بایں شاہ مبارک باشد — کہ تولد شدہ امروز شہنشاہِ امم

جگر شیر خدا جان بتول عذرا   زور بازوی حسن روح رسول اکرم

عرض دیگر برِ شاه خدایا مقبول

که شود زیر نگینش عرب و روم و عجم

در تهنیت عید شجاع

زہے جناب ابوالفتح شاہ نیک نہاد   که شاد می‌شود از ذکر شه دل ناشاد

بعالم است چنان شهرهٔ سخاوت شاه   که از سخاوت حاتم کسے نیارد یاد

ثنائے شاه ابوالفتح بے مبالغه است   که دیگرے نشده این چنین سخی و جواد

مخمر است ز نصفت چو طینت سلطان   بهر طبع کسے نیست مایل بیداد

ز عدل شاه زمان و منع گشت خونریزی   ز حکم نافذ سلطان نماند نام فساد

خلاف حکم شهنشه چو قصد فصد کنند   چکد نه قطرهٔ خون گه ز نشتر فصاد

همین دعاست که عید شجاع سال بسال   به بندگان شه با کرم مبارک باد

رسید سفینهٔ عرض بساحل مقصود   مدام باد تهِ حکم شاه باد مراد

دعائے بهتر ازین نیست بهر شه دیگر   هزار سال سلامت بود مع اولاد

به بندگان خدا باد سایه اش مبسوط   بلطف احمد مرسل بفضل رب عباد

خدا شتاب کند حکمران هفت اقلیم   رسول باد معینش علی کند امداد

شفا نصیب کند زود شافی مطلق

بحق حضرت سغرا و حضرت سجاد

در تهنیت عید سعید ولادت باسعادت جناب امیر المومنین و امام المتقین علی ابن ابی طالب علیه الصلوٰة والسلام

زہے جناب ابوالفتح شاه نام آور   غریب پرور و خلقت نواز و نیک سیر

بجاه مثل سلیمان برج مه کنعان   بعقل رشک ارسطو باج اسکندر

سخاش محو نموده است نام حاتم را   که شاه ما سخاهست بسیر و حیدر

اگر ببارگهش سائلے رسد امروز   ز جود شاه غنی می‌شود بروز دگر

بجز رضاء خلایق خیال دیگر نیست   کدام امر بجز عدل نیست مدِ نظر

جهان ز عدل شهنشه جهان جهان آباد   نماند در همه عالم نشان غارتگر

بصدق خیل غلامان و جمله عالم را   برائے شاه زمان این دعاست واجب تر

بود مبارک و فرخنده بهر شاہنشاه　　طفیل فاطمه عید ولادت حیدر
مدام از قدم پاک باد رونق تخت　　ز فرق شاه شهان باد زینت افسر
مدام حافظ شه باد فضل رب علا　　همیشه ناصر شه باد لطف پیغمبر
مدام حفظ خدا باد جوشن والا　　دوام ظل خدا باد بر سرت مغفر
شها نگاه تو از بسکه کیمیا اثر است
ز رحمت سوئے دگیر خانه زاد نگر

قطعه در تهنیت عید الفطر

تابست بر اوج فلک این روشنی ماه　　تابنده بود نیّر اوج شه ذی جاه
گر شاه ابوالفتح کند عزم سواری　　گردد ظفر و فتح بجستن شده همراه
گاہے ز سر اہل جہاں دور مبادا　　ظل کرم و فضل تو چوں سایۂ الله
سر سبز بود گلشن اقبال تو هر دم　　از فضل خدا دخل خزانے نشود کاه
حلال مهمات جهانست بلا شک　　نام تو شها صورت نام اسد الله
حاسد بجلو خانۂ شه راه نیابد　　در حضرت ضیغم نبود دخل بد روباه
مشهور شده تا بجهاں ذکر سخاوت　　در خلق کسے ذکر ز حاتم نکند گاه
مشغول دعا ست شها بهر تو دگیر　　از فضل خدا باد همه کار تو دلخواه
هر روز ز مبزم تو بود عشرت نوروز　　هر لحظه بود جشن بهر سال و بهر ماه
یابد بجهاں رشتۂ عمر تو درازی　　هر لحظه بود مدت هر عارضه کوتاه
شاداب بود کشت مراد شه ذی جود　　پامال شود حاسد دولت صفت کاه
با جاه و جلال و شرف و حشمت و اقبال
عید رمضان باد مبارک شهنشاه

در تهنیت عید الاضحیٰ

شاه ابوالفتح سکندر فر و دارا دربان　　عیسیٰ عصر و خضر وقت و سلیمان زمان
شاه جم مرتبه سلطان فریدوں شوکت　　به کیاست چو ارسطو بفراست لقمان
آید آواز ملائک که سلامت بادا　　نام نامی ابوالفتح گر آید بزبان
زنده شد از کرم شاه شهاں رسم خلیل　　بر سر خوان کرم شد همه عالم مهمان
از عطائے شه ذی جود و کرم خالی نیست　　عجم و عرب و بلخ و حبش و ترکستان
حبذا ابر سخا و کرم خسرو هند　　که گهر بار مدام است بشکل نیسان

خضر خلد است بعالم کرم شاہنشاہ
کہ عزا خانۂ جہاں است سرِ رگ راہ جہاں

جنبش ابروے رخشہ، بہر عدو شمشیر است
نوک مژگاں بدم غصہ کند کار سناں

از خدا روز و شب ایں است دعاے دگیر
تا کہ اسلام بخلق است و حدیث و قرآں

تا کہ باشد بجہاں عیش و نشاط عیدین
باد فرخندہ بشہ عشرت عید قرباں

تا کہ تا ابد بجہاں روشنیِ شمس و قمر
کوکب اوج شہنشاہ بماند رخشاں

باد در حصۂ ایں شاہ زلال صحت
بہر عابد پسر بادشہ تشنہ لباں

در تہنیت عید غدیر[1]

کند ثنائے ابوالفتح شاہ شاہاں را
سزد بعالم ایجاد ہر زباں داں را

بخوانم از غزلی در چمن بمدحت شاہ
بہ لہجہ رشک دہم بلبل غزل خواں را

ز فضل خویش چنیں شاہ دادگر بخشید
سزد کہ خلق کند شکر فضل یزداں را

بود ہمیشہ گہر بار دست شاہنشاہ
دگر نہ موسم فصل است آب نیساں را

رسد بدرگہ سلطاں چو سائل یاقوت
زہے سخا کہ عطا می کند بدخشاں را

جمال شاہ چو بینند تاجراں یکبار
تمام عمر نہ بینند روئے نقصاں را

ز فیض شاہ چو شد فیض یاب محتاجے
تمام عمر نشد ہیچ احتیاج آں را

ہمیشہ از تہ دل می کند دعا دگیر
نگاہدار خدایا مدام خاقاں را

دہد بفوج شہنشاہ حاصل توراں
عطا کنند بغلاماں خراج ایراں را

دعا ہمیں است کہ عید غدیر سال بسال
شود مبارک و فرخندہ شاہ ذی شاں را

برائے صحت ایں بادشہ دعا سازند
شد است فرض غلاماں شاہ مرداں را

---

[1] غدیر۔ عربی میں اس تالاب کو کہتے ہیں جس میں بارش اور سیل کا پانی جمع ہو جائے (لغات کشوری ص ۳۴۶) شیعہ حضرات کے یہاں عید غدیر کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ دن ہر سال ۱۸ ذی الحجہ کو بڑی عقیدت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ شیعہ حضرات کے قول کے مطابق اسی دن پیغمبر خدا نے حضرت علی کو اپنا وصی اور جانشین بنایا تھا۔ اس واقعہ کے بارے میں تاریخ میں مذکور ہے کہ جب سرور کائنات ۱۰ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو آخری حج کے فرائض کی ادائیگی کے بعد مسلمانوں کے ایک بھاری اجتماع کے ساتھ واپس مدینہ جا رہے تھے تو راستہ میں مقام غدیر پر ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ اس کے بعد پیغمبر خدا نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر مجمع کے سامنے اونچا کیا اور فرمایا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" یعنی جس کا میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہئے۔ الٰہی جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔ (سیرۃ النبی حصہ اول ص ۲۰۱ جلد دوم شبلی نعمانی)

مدام نام شہ با وقار روشن باد
کہ روشنی است ز نامش چراغ ایماں را

در تہنیت جشن جلوس

تا کہ بر اوج فلک روشنئ ماہ بود — بر سر شاہ زماں سایۂ اللہ بود
تا ابد نام ابوالفتح بماند روشن — چتر افضال خدا بر سر ایں شاہ بود
حاتم[1] از فرط خجالت بطپید زیر زمیں — از سخائے شہ ذی جود گر آگاہ بود
شاہ ما یک نظر لطف بہر کس کہ کند — بجز اللہ نہ محتاج بشر آگاہ بود
ضربت دست شہنشہ چو رسد بر سر کوہ — از دم تیغ دو پارہ صفت کاہ بود
شود از عکس رخ شہ چہ کنعاں آں چاہ — بہ تیقن گذرے گر بسر چاہ بود
شاہ ابوالفتح گر آہنگ سواری سازد — ظفر و فتح بجسم شدہ ہمراہ بود
ایں دعا ہست ز دلگیر خدایا بپذیر — جشن شاہانہ مبارک بشہنشاہ بود
باشد از فضل خدا عمر شہنشاہ دراز — دمبدم مدت ایں عارضہ کوتاہ بود
صحت کاملہ آید بقدمبوسی شاہ — درد با دفع ز افضال ید اللہ بود
دائما اختر اقبال بماند روشن — روز بہ بہر فروغ حشم و جاہ بود
قلم فیض شہنشاہ بماند جاری — رو سیہ خانہ صفت حاسد بدخواہ بود

معین دین و ابوالفتح خسرو جم جاہ — بہر رتبہ محمد علی شاہنشاہ
زہے سخی کہ بعہدش نماند نام فقیر — خوشا جری کہ ز تیغش نہ تابد رخ پناہ
بصحن باغ خراماں شود اگر سلطاں — شہ گل آید و گوید ز پیش پیش نگاہ
بشاہ ماست بلاشک صفات ابراہیم — کہ ہست مسجد جامع نظیر بیت اللہ
بنائے کعبہ و تا ہست مسجد اقصیٰ
مدام بانی مسجد بود بحشمت و جاہ

۱؎ حاتم طائی - عرب میں قبیلہ بنی طے کا مشہور عربی سردار - فیاضی بہادری اور شاعری میں بہت مشہور تھا - رسول مقبول صلعم کے زمانے سے کچھ ہی پیشتر گزرا ہے - کبھی کسی سائل کو خالی نہ پھیرتا - اس نے جوش سخاوت میں اپنے عزیز گھوڑے اور اسلحہ کے دینے میں بھی عذر نہ کیا - عرب میں موضع انورش میں اس کا مقبرہ ابھی تک ہے - "حاتم طائی" فارسی نامی کتاب میں جس کا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے اس کے کارنامے درج ہیں اس کا انگریزی ترجمہ ڈنکن فاربس ایم اے نے کیا ہے - (قاموس المشاہیر صفحہ ۱۹۳ جلد اول)

در تهنیت سالگره

هر حاجت سلطان ابوالفتح روا باد　　حامی شهنشاه زماں شیر خدا باد
سرسبز بود گلشن اقبال شهنشاه　　جاه و حشم و اوج دریں باغ صبا باد
هم پایه شود تخت شه از تخت سلیماں　　در سایهٔ خاقاں اثر ظل هما باد
دولت بفقیران دهی و تاج بشاهاں　　یا شاه درت مرجع هر شاه و گدا باد
از فیض تو آساں بشود مشکل عالم　　هر لحظه معینت علی عقده کشا باد
یا شاه خدا جاه سلیماں بتو بخشد　　محکوم تو جن و پری و ارض و سما باد
آید بقدمبوسی تو صحت کامل　　زنهار جناب تو نه محتاج دوا باد
آں دست که از بهر دعائے تو نه خیزد　　باد اقلم از مرفق و از شانه جدا باد
دستگیر دعا می کند از صدق شب و روز　　امید همیں است که مقبول خدا باد
ایں سالگره باد مبارک بشهنشاه　　تا حشر بود خانهٔ اقبال شه آباد

اللہ شب و روز بود ضامن جانت
دایم بسرت سایهٔ سلطاں رضا باد

قطعه در تهنیت نوروز ۱۲۵۶ھ

مدام است گوهر فشاں دست شاه　　گهر بار نیساں بود گاه گاه
محمد علی شاه گیتی پناه　　ملائک سپاه و فلک بارگاه
بشوکت سکندر سلیماں حشم　　بسیرت فرشته برخ رشک ماه
کجا ایں شهنشه کجا سیرده　　بود ذکر حاتم دریں جا گناه
ز تیغش بود لرزه خورشید را　　شجاعت برایں امر باشد گواه
دعا ساز دستگیر تا روز حشر　　بود بر سر شاه ظل اللہ
بود عید نوروز ما در جهاں　　بود تا که ایں جلوهٔ مهر و ماه
بود تا که تحویل خور در حمل　　بود تا که مهتاب زریں کلاه
سلامت انوشیروانِ زماں　　بعدل و باقبال شیر اللہ
طفیل امام چهارم شتاب　　شفا یابد از درد یا بادشاه
بود بر سرش سایهٔ پنجتن
بود دشمنش در دو عالم تباه

قطعه در تهنیت عید شجاع ۱۲۵۶ھ

زہے جناب ابوالفتح شاہ دادگر است — کہ دست بستہ ملازم بدرگہش ظفر است
جہاں ز مکرمت وجود شاہ بہرہ ور است — وجود بادشہ عصر نسل بوتمر است
ثنائے توسن خاقاں کہ مطمح نظر است — بصفحہ خامۂ من رشک مرغ تیز پر است
ہر آنکہ در کمر شاہ دید تیغ بگفت — کہ آب موجۂ دریائے فتح تا کمر است
ثنائے شاہ محمد علی شدہ واجب — کہ اسم پاک محمد بنام تاج سر است
ز نور تاج سرشہ کہ ہمسری بنمود — تمام روز ازیں جرم مہر در بدر است
نجات یافتہ از خر ز عدل شاہنشاہ — میانِ خلق ہر آنکس ز خلقتِ بشر است
بزیر سایۂ آں یک جہاں است باآرام — فدائے قامت موزوں شہ عجب شجر است
برائے تہنیتِ شاہ آمد است امروز — میان خلق کہ عید شجاع جلوہ گر است
طریق مدح و ثنا مشکل است اے دلگیر — دعا برائے شہنشاہ عصر خوب تر است
مدام نیر اقبال شہ درخشاں باد — میان ارض و سما تا کہ جلوۂ قمر است
نصیب شاہ زماں باد صحتِ جاوید — بحق حضرت عابد کہ شاہ بحر و بر است

در تهنیت عید مولود پیغمبر آخر الزماں ۱۲۵۶ھ

عید مولود پیمبر ہست تا اندر جہاں — شاہ ابوالفتح و معین الدین بماند شادماں
حبذا شاہی کہ از فیضش حیات عالم است — نام شاہ با بود در جسم ہر یک مثل جاں
در ہمہ عالم ندیدم سائلے دریوزہ گر — از سخائے شاہ یک یک یافت گنج بیکراں
گلشن اقبال ایں خاقاں ہر آنکس دید گفت — مثل گلزار جناں دائم بماند بے خزاں
دائما خوش باد ایں خاقاں کہ در عالم کہ نیست — خوش روش خوش خو و ضع خوش نما خوش خرج و خوش بیاں
یک جہاں آباد از فیض حسین آباد شد — جنس فیض وجود انبار است بر ہر یک دکاں
جعفر صادق[1] شدہ امروز پیدا او نبی — ہست یک یک را دو بالا خرمی اندر جہاں

---

[1] امام جعفر صادقؑ آپ بارہ اماموں میں سے چھٹے امام ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۷ ربیع الاول (۱۷ ربیع الاول رسولِ خدا کی ولادت بھی ہوئی تھی) ۸۳ھ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی تھی آپ ہمیشہ سچ بولتے تھے اسی لیے "صادق" لقب سے تاریخ میں مشہور ہیں۔ آپ امام حسینؑ کے پرپوتے اور امام محمد باقر کے بڑے صاحبزادے تھے خلیفۂ المنصور نے جب آپ کو اپنے دربار میں بلایا تو آپ نے جواب بھیجا کہ جس کی نظر اس دنیا پر ہے مجھ کو کبھی نصیحت نہیں کرے گا۔ اور جس کی نظر عقبیٰ پر ہے وہ تیری صحبت اختیار نہیں کرے گا۔ آخر کار خلیفہ کے ہاتھوں انھیں زہر دیا گیا اور وہ ۱۴۸ھ ہجری کو ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں اس احاطے میں کہ جہاں امام حسنؑ، امام زین العابدین (باقی اگلے صفحہ پر)

عید امروز اے خدا باد امبارک شاہ را — باد رخشاں کوکب اقبال و حشمت ہر زماں
سلطنت پیغمبرؐ بود ہر دم معین بادشاہ — جعفر صادق بود بر شہ ہمیشہ مہرباں
تاج فضل ایزدی ماند بفرق شہ مدام — توسن اقبال و حشمت باد دائم زیر راں
از تہ دل ایں دعا دلگیر می آرد مدام — شہ سلامت باد تا محشر مع شہزادگاں

باخدا اشل زباں خار دائم خشک باد
وصف گلزار فیض شہ نباشد ہر زباں

در تہنیت عید مولود جناب امیر علیہ السلام ۱۲۵۶ھ

زصدق ہست بخاقان محب حیدر — بکال اوست کہ فرط عنایت حیدر
چو ہست نام محمد علی بجز اچرا نبود — بشاہ جرات احمد شجاعت حیدر
فضیلت است بشاہاں چنیں شہ ما را — چناں بجملہ صحابہ فضیلت حیدر
کدام خصلت حیدر بمومناں باشد — خدا بداد بخاقان سخاوت حیدر
خدا دیدہ بشہنشاہ ہر ولایت را — کہ از جبین است ظہور ولایت حیدر
گناہ بندہ و عفو خطا کند ایں شاہ — قسم خوریم بخلق و مروت حیدر
دعا ہمیست کہ فرخندہ و ہمایوں باد — بشاہ فرحت عید ولادت حیدر
اگر بروضۂ شاہ نجف رسد دلگیر — دعا کند ز خدا پیش تربت حیدر
جناب ابوالفتح باشکوہ و حشم — مدام باد بظل حمایت حیدر
مدام بشوکت ایں بادشاہ افزوں باد — کہ ہست تا بجہاں ذکر شوکت حیدر

ہر آنکہ دشمن ایں عادل زمانہ بود
مدام باد سرش زیر تربت حیدر

در تہنیت عید مولود جناب امیر علیہ السلام ۱۲۵۶ھ

حبذا شان ابوالفتح چہ شانست و چہ نام — کہ فلک خم شدہ در پیش درش بہر سلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور امام محمد باقر دفن ہو چکے تھے آپ کو بھی دفن کیا گیا۔ تاریخ وفات یہ ہے

جعفر صادق امام المسلمیں — رفت و بر خلقی غم خود را فزود
شہ تولد در سنہ ہشتاد و سہ — در صد و ہشت و چہل رحلت نمود
۱۴۸ ہجری

(مفتاح التواریخ صفحہ ۱۰) اور نشیل بیوگرافیکل ڈکشنری صفحہ ۱۰۱ ولیم بیل)

مہر از دبدبہ لرزاں بزمین افتادے
تیغ ایں شاہ شہاں از نہ بدے زیب نیام

پیش آں کنگرہ بود ذکر سخائے حاتم
ہست مانند علی ہمت شاہ اسلام

ہر یکی وصف چنیں شاہ کند آساں نیست
کہ بعالم شدہ با احمد و حیدر ہمنام

بہر ایں شاہ دعا ہست بہر یک واجب
کہ بعہدش ہمہ خلق است بعیش و آرام

متولد شدہ امروز حسین ابن علی
باد ایں عید مبارک بہ شہنشاہ مدام

ز خدا ہست شب و روز دعائے دلگیر
باد اقبال و حشم از پے ایں شاہ مدام

نیر سلطنت و جاہ درخشاں بادا
دائم از فضل خدا و ز کرم خیر انام

باد فرق ہمایون شہ والا قدر
ظل افضال خدا سایۂ الطاف امام

ہفت اقلیم شود زیر نگیں دولت
تابع حکم شہنشاہ بود خلق تمام

از غلامان شہ آنکس کہ عداوت دارد
مورد قہر الہی شود آں نافرجام

قطعہ در توصیف و تاریخ تالاب

دم تحریر نام شاہ و القاب
زمیں بوسد قلم از فرط آداب

الہی باغ اقبال ابوالفتح
ز افضال تو دائم باد شاداب

ز نامش مشکل عالم شود حل
ز ذکرش تاب یابد جان بے تاب

الہی ماند ایں خاقاں سلامت
بہر یک بحر تا ماند رواں آب

بصحت ماند و با تندرستی
ہمیں دارد دعا ہر شیخ و ہر شاب

شدہ طیار تالاب مثمن
بفرمان شہنشاہ خوش القاب

یکے حوض و دوم نہر مصفا
کہ مثل گوہر آبش ہست خوش آب

سیوم چاہ کلاں تالاب چارم
کہ وضع آں بعالم ہست نایاب

بحسن و لطف پنجم چاہ مسجد
کہ کوثر گفتنش یابد ز آداب

غرض ہر یک ازیں از روئے خوبی
نظیر خود ندارد تا بہ پنجاب

بخواں ایں مصرع تاریخ دلگیر
کہ شاہنشہ بنا بنمودہ تالاب

۱۲۵۵ ہجری

در تاریخ بنائے مہماں سرا

دل و جانم فدائے شاہ ہند است
زباں صرف ثنائے شاہ ہند است

چنیں جود و سخائے شاہ ہند است
بہ از قاروں گدائے شاہ ہند است

ز جودش حاتم طے را چہ نسبت
سخاوت خود فدائے شاہ ہند است

ابوالفتح معین الدین غازی
خطاب از حق برائے شاہ ہند است

ز نسل جعفر طیار[1] و عباس
فلک فرسا لوائے شاہ ہند است

مہوس آنکہ را اکسیر گوید
بلا شک خاک پائے شاہ ہند است

عدن را دامن از گوہر کہ پر شد
ز فیض دستہائے شاہ ہند است

بعہدش یافتہ از بسکہ آرام
جہاں محو دعائے شاہ ہند است

ہمہ اہل جہاں یابند آرام
ہمیں بس مدعائے شاہ ہند است

ز طیاری ایں مہماں سرائے
دعا ہر دم برائے شاہ ہند است

عظیم اللہ خاں کرد اہتمامش
کہ از صد جاں فدائے شاہ ہند است

چنیں سال بنایش گفت دلگیر
زہے مہماں سرائے شاہ ہند است
۱۲۵۵ ہجری

در تہنیت عید مولود امام مہدی[2] علیہ السلام ۱۲۵۶ھ

زہے جناب ابوالفتح شاہ نیک خصال
ازل سے بخشا ہے خالق نے جس کو جاہ و جلال

ہر ایک دم گہر افشاں ہے شہ زمانے پر
مدام غیرت نیساں ہے ہاتھ کا رومال

ہر ایک بشر کے ہیں مافی الضمیر سے آگاہ
کسی کو ڈر یہ نہیں شہ کے احتیاج سوال

---

[1] حضرت علی کے برادر حقیقی تھے۔ جنگ موتہ میں ۸ہجری مطابق ۶۲۹ء میں شہید ہوئے۔ اسلامی لشکر کے علمبردار تھے۔
(قاموس المشاہیر صفحہ ۱۶۹ جلد اول)

[2] امام مہدی۔ پیغمبر اسلام کی نسل مبارک جو آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا اور داماد حضرت علی سے چلی اور ان کے چھوٹے فرزند حضرت امام حسین کی اولاد میں سے جو سلسلہ نو امام ہوئے ان میں سے آٹھویں امام حضرت امام حسن عسکری تھے اور حسن عسکری کے فرزند بارہویں امام محمد مہدی آخر الزماں ہیں۔ ان کی ولادت ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ کی رات کو سامرے میں ہوئی۔ آپ نے ۲۶۰ ہجری میں غیبت فرمائی۔ تاریخ غیبت یہ ہے

آنکہ او مہدی است و ہادی خلق
ذات والائے اوست شادی خلق

جمعہ و ہشتم محرم بود
کہ ز آفاق غیبتش فرمود

یافتم سال غیبتش لب بند
مہدی صاحب زماں آمد ۲۶۰ھ (مفتاح التواریخ)

یہ بارگاہ ہے یارب کہ مخزنِ راہی
ہمیشہ دامنِ سائل ہے زر سے مالا مال

اگر ہو عزم شہنشاہ بہر سیر چمن
بہار ہیلے تو آئے برائے استقبال

ہزار ہے کے زر گل برائے تذر آئیں
صدا بلند ہو ہر سمت سے تعال تعال

ز بس قدیم نمک خوار ہے یہ خاقاں کا
جنابِ حق سے ہے دگیر کا سدا یہ سوال

مبارک اس کو ہو عہد ولادت مہدی
جہاں میں یہ سلامت رہے ہزاروں سال

ظہورِ مہدی ہادی تلک یہ شاہ شہاں
رہے بہ حشمت و شوکت بدولت و اقبال

الٰہی نیّرِ اقبال شاہ والا قدر
ہر ایک دن رہے روشن بسان بدر کمال

عدوئے گلشنِ دولت جو ہو زمانے میں
بسانِ کاہ سر رہ وہ جلد ہو پامال

رباعی

لاکھوں برس اور تاج مبارک ہوئے
تخت شہے و تاج مبارک ہوئے

خاقاں ابوالفتح کو یارب ہر سال
عید شب معراج مبارک ہوئے

در تہنیت سالگرہ

بہر رتبہ محمد علی شہ جم جاہ
معین دینِ رسول خدا و ظلّ اللہ

نہ ایسا بعد آئمہ ہوا کوئی عادل
ہمیشہ عدل سے رغبت ہے ظلم سے اکراہ

مدام قیصر و کسرا یہ طعن کرتا ہے
جو اس جناب کا ادنیٰ ہے بندۂ درگاہ

یہ کارساز کا تقدیر پر تحکم ہے
تمام کام ہوں اس بادشہ کے خاطر خواہ

سخاوت اس کی خدا و رسول کی ہے پسند
ہر ایک کار سخاوت ہے حسبۃً للہ

نہیں ہوا ہے محمد علی سا اور سخی
محمدؐ اس کے ہیں شاہد علیؑ ہیں اس کے گواہ

غضب حلیم کا مشہور ہے زمانے میں
نگاہ و قہر جو حضرت کریں معاذ اللہ

تو خوف شاہ سے آب رواں ٹھہر جائے
سوائے غرب کے خورشید کو ملے نہ پناہ

خدائے پاک سے دگیر کی دعا یہ ہے
ہزار سال سلامت رہے یہ شاہنشاہ

ہمیشہ سالگرہ شاہ کو مبارک ہو
سدا امام رضا کی رہے کرم کی نگاہ

یہ رشتہ جو گرہ سال سے مزین ہے
ہزار دانے کی تسبیح ہو بفضل خدا

جو خیر خواہ ہیں سرکار کے رہیں سرسبز
عدو جناب کے پامال ہوں بسان گیاہ